اطاعت ونافرمانی

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی قِیْلَ وَمَنْ اَبٰی قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی ۔ [رواه البخاری]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی۔لیکن جس نے انکار کیا (وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔) آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا انکار کرنے والا کون ہے؟ فرمایا: جس نے میری فرماں برداری کی وہ جنت میں داخل ہوا، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔''

دین کے بنیادی اصول⑱

اصول نمبر 18:...... وَالْإِیْمَانُ بِالْمِیْزَانِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، کَمَا جَاءَ:((یُوْزَنُ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَلَا یَزِنُ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ)) وَتُوْزَنُ اَعْمَالُ الْعِبَادِ کَمَا جَاءَ فِی الْاَثَرِ، وَالْاِیْمَانُ بِهٖ وَالتَّصْدِیْقُ بِهٖ، وَالْاِعْرَاضُ عَنْ مَنْ رَدَّ ذٰلِكَ وَتَرْكُ مُجَادَلَتِهٖ۔

''قیامت کے دن ترازو پر ایمان رکھنا، جیسا کہ مروی ہے:'قیامت کے دن بندے کا وزن کیا جائے گا اور وہ مچھر کے پر سے زیادہ وزنی نہ ہوگا۔ اسی طرح بندوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا جیسا کہ یہ بھی منقول ہے۔[مسند احمد:۲/۲۱۳، سنن ترمذی:۲۶۳۹، سنن ابن ماجہ:۴۳۰۰، صحیح ابن حبان:۲۵۲۴، مستدرک حاکم:۱/۵۲۹، اس کی سند صحیح ہے۔] اس پر ایمان رکھنا اور اس کی تصدیق کرنا اور جو اس کا رد کرے اس سے منہ موڑنا اور اس سے جھگڑا نہ کرنا (اصول ایمان سے) ہے۔''

صحیح بخاری:۴۷۲۹، مکمل الفاظ اس طرح ہیں:''قیامت کے دن ایک بہت موٹا شخص آئے گا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر سے زیادہ وزنی نہ ہوگا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:''یہ آیت پڑھو!

﴿ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ﴾ [الکهف: ۱۰۵]

''ہم ان کے لیے قیامت کے روز ترازو بھی قائم نہ کریں گے۔''

شرح: اهــل الســنة کے بنیادی اصولوں میں سے آخرت اور اس کے متعلق جو کچھ اللہ تعالیٰ نے بتایا ان پر ایمان رکھنا ضروری ہے، ان میں سے ایک میزان (ترازو) بھی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰـمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا ط وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِهَا ﴾ [الانبیاء:٤٧]

''ہم قیامت کے دن انصاف سے ترازو رکھیں گے، کسی جان سے ظلم نہیں کیا جائے گا اگر چہ دانے کے برابر ہی ہو ہم اس کو لائیں گے۔''

ایک قول کے مطابق: خود بندے کا وزن کیا جائے گا، اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

﴿ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ﴾ [الکهف: ۱۰۵]

''ہم ان کے لیے قیامت کے روز ترازو بھی قائم نہیں کریں گے۔''

حدیث میں ہے:''بہت کھانے پینے والا موٹا آدمی آئے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا وزن مچھر کے پر سے زیادہ نہ ہوگا۔''[صحیح بخاری:٤٧٢٩]

فہرست

گھوڑے تیار رکھو

اداریہ — حافظ احمد شاکر

ان صفحات میں ہم ایک سے زیادہ بار اس بات کا اظہار کر چکے ہیں کہ مسلمان اور کافر میں امتیازی فرق جزا وسزا پر ایمان کا ہے۔اس ایمان کی برکت یہ ہے کہ ہر مسلمان شعوری طور پر موت کا منتظر رہتا ہے اور گناہ گار سے گناہ گار مسلمان بھی یہ خواہش رکھتا اور حتی الامکان اپنے اعمال کے ذریعے کوشش کرتا ہے کہ وہ آخرت میں جہنم کے عذاب سے بچ کر کسی بھی طریقے جنت میں چلا جائے۔

کافر ہمیشہ موت سے ڈرتا اور خوف زدہ رہتا ہے باوجودیکہ مرنے کے بعد جزا وسزا اس کے دین میں......اس کے ایمان کا حصہ......نہیں ہوتی لیکن موت کے سائے سے وہ ہمیشہ لرزاں وترساں اور سہما سہما سا رہتا ہے۔کئی سالوں بلکہ دو صدیوں سے طاغوت کے لیے یہی مسئلہ خصوصاً برصغیر میں برطانوی تجارتی بیڑے کی لنگر اندازی کے بعد سے دردسر بنا ہوا ہے کہ مسلمان کو کسی طرح موت سے خوف زدہ کیا جاسکے اور اس کی پاتال سے شوق شہادت کھینچ لیا جائے۔حال کی تاریخ میں عراق میں مونہہ کی کھانے اور افغانستان کے پتھر چاٹنے کے بعد طاغوت یعنی دنیائے کفر کم وبیش ایک دہائی سے پاکستان کو......ان شاءاللہ......فتح تو کیا کرنا ہے زیر دام لانے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہے اور ابھی تک کوئی سرا اس کے ہاتھ میں نہیں آ رہا۔ باوجودیکہ خوئے غلامی کے حامل اور انگریز کے فیض یاب جاگیردار، نواب، ٹوانے اور مخدوم خاندان ان کی خدمت کے لیے اب بھی کمربستہ رہتے ہیں لیکن ملکوں، قوموں اور خاندانوں میں خیالات اور موسم ہمیشہ ایک سے نہیں رہتے۔ہوائیں چلتی ہیں تو فضائیں تبدیل ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں اور خیالات کا جوار بھاٹا کسی وقت کوئی بھی رخ اختیار کرسکتا ہے۔ضروری نہیں کہ پاکستان میں حکمرانی ہمیشہ موروثی سیاست دانوں اور ٹوڈی خاندانوں کی باندی رہے۔اب وہ وقت دور نہیں کہ جب قلب مسلم میں حبّ محمد کی چنگاری شعلہ بن کر ابھرے گی اور طاغوت کی ساری سازشوں اور دسیسہ کاریوں کو راکھ کردے گی۔مسلمان تو پیدا ہی مرنے کے لیے ہوتا ہے اور ہر مسلمان مرنے کے بعد کے لیے حتی المقدور سامان آخرت جمع کرنے ہی میں زندگی گزار دیتا ہے۔

....

امریکہ نے اب ٹائمز سکوائر کا نیا ڈرامہ شروع کردیا ہے جسے ۱۱/ ۹ اور ۷/ ۷ جیسی سازشوں کا تسلسل ہی کہنا چاہیے۔اس سے چند دن قبل لشکر طیبہ امریکہ کے لیے خطرہ بن رہا تھا۔ بھارت نے مسلمانوں پر اپنے ظلم وستم پس پشت ڈالتے ہوئے دنیا کے سامنے لشکر طیبہ کو تو ہوا بنایا ہی ہوا تھا یہ کیسی دلچسپ وعجیب بات ہے کہ دنیا کی واحد سپر پاور امریکہ کو بھی لشکر طیبہ سے خطرہ محسوس ہونے لگ گیا۔ایک طویل عرصہ سے دنیائے کفر کا یہ وطیرہ بن چکا ہے کہ دنیا میں کسی کافر کو مچھر بھی کاٹ جائے تو وہ مچھر بھی پاکستان بھیجتا ہے اور اس کے کاٹنے سے پہلے پاکستانی طالبان اس کی ذمہ داری قبول کرنے کا اعلان بھی کردیتے ہیں۔ ہفتہ رفتہ میں پاکستان میں گم شدہ افراد کے لیے آواز بلند کرنے والے خالد شیخ کو افغانستان لے جا کر قتل کیا جاچکا ہے اور وجہ قتل یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ جامعہ حفصہ لال مسجد کے مظالم میں......معاذ اللہ......شامل تھے جب کہ کئی سال سے ان کی تگ وتاز اور جدوجہد میڈیا کے سامنے عیاں تھی حالیہ حادثہ کی سمجھ یہی آتی ہے کہ وہ چوں کہ اپنی سابقہ ملازمت کے باعث بعض رازہائے درون پردہ سے واقف تھے جسے گھر کا بھیدی کہا جاسکتا تھا اور خطرہ تھا کہ وہ کسی بھی وقت لنکا ڈھا سکتا ہے۔اب میڈیا میں ان کے قتل کی بازگشت بلند ہونا اور ان کے قاتلوں کا ذکر اخبارات میں آنا

شروع ہوگیا تھا۔اس لیے امریکہ کو ٹائمز سکوائر کیس جیسا ایک ڈرامہ تشکیل دے کر میڈیا سے خالد شیخ اور N.R.O پر عدالت عظمٰی کے احکامات کو تاخیر وتاویل کے مختلف حربوں سے غائب کرنا مقصود تھا۔لہٰذا نہ صرف یہ ڈرامہ میڈیا کی سکرین پر نمودار کیا گیا بلکہ پاکستانی طالبان کی ذمہ داری قبول کرنے کی اہم خبر بھی تیار تھی جو فی الفور جاری کر دی گئی اور ہماری حکومت خصوصاً جناب وزیر داخلہ نے تفتیش میں تعاون کی خدمات بھی پیش کر دیں۔امریکہ سے وزیر داخلہ کا تعاون اب کوئی ڈھکی چھپی بات تو رہی نہیں اگر کوئی کسر رہ گئی ہے تو وہ ان شاء اللہ بہت جلد نکھر کر عوام کے سامنے آ جائے گی۔

گزشتہ صدی کی آخری دہائی میں پی۔پی۔پی کی سابقہ حکومت میں موصوف ایف آئی اے کے ڈائریکٹر جنرل کی حیثیت سے بھی امریکہ کے لیے ان کی خدمات تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔اب جب کہ پرموشن لے کر وہ وزارت داخلہ کے منصب تک پہنچ چکے ہیں تو ظاہر ہے کہ اب ان کی خدمات پہلے سے گراں قدر رہی ہوں گی بلکہ دوسالہ دور حکومت میں ان کی امریکہ کے لیے ان گنت خدمات یقیناً ناقابل فراموش ہوں گی جبھی تو جناب صدر پاکستان وطن کے اہم تاریخی مقدمہ قتل میں تفتیش سے ان کو باہر رکھنے کا اعلان بھی کر چکے ہیں۔

ٹائمز سکوائر کیس کے بعد اہم بات امریکی حکومت کی پاکستان میں براہ راست فوجیں اتارنے کی دلچسپ دھمکی ہے حتیٰ کہ ہمارے مخدوم وزیر خارجہ کے پہلو میں مسکراہٹیں بکھیرنے والی ان کی ہم منصب بھی اب مونہہ سے شعلے اگلنے لگی ہیں جس کے جواب میں ہمارے بعض سابق فوجی سربراہوں و آفیسران اور حاضر سروس سیاست دانوں نے ان کو دعوت مبارزت بھی دے دی ہے۔ ادھر پیارے ہنر آزمائیں تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

واضح رہے کہ کتابِ مجید اور فرقانِ حمید چودہ سو سال پہلے ہی ہمیں حکم دے چکا ہے کہ ''اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے مقابلے کے لیے مستعد رہو کہ اس سے خدا کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ جانتا ہے ہیبت بیٹھی رہے۔''[الانفال: ٦٠] کہ یہ سب کچھ جوع الارض یعنی زمین ہتھیانے کے لیے نہیں بلکہ طاغوت کی روک تھام کے لیے حکم ربانی ہے۔

حکمرانی کے بنیادی نکات:

ہم مجموعی طور پر جس محرومی پر سب سے زیادہ شکوہ کناں ہیں وہ ہے تعلیم۔جس کی فرضیت ہم ایک مشہور حدیث طلب العلم فریضة علی کل مسلم ......اس میں مسلمة کا اضافہ غالباً کسی صحیح حدیث میں نہیں...... سے لیتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی......دوستی گاڑھی کرنے کے لیے......ایک موضوع حدیث اطلبوا العلم ولو کان بالصین کو بہت اچھالا جاتا ہے۔فرضیت علم تو اگرچہ بقدر ضرورت دینی علم کی ہے جب کہ حصولِ علم کے معانی کو وسعت دیتے ہوئے دیگر تمام علوم اس میں شامل یا داخل کیے جا سکتے ہیں۔لیکن علم کے معانی کی اتھاہ گہرائیوں میں ہمیں مروّجہ سیاست کا علم یا حکمرانی کا علم،طریقے، آداب کہیں نظر نہیں آتے۔جب کہ اسلام انسانیت کو سیاست وحکمرانی کے بنیادی نکات دیانت،خدمت،ایثار اور خوف مسئولیت عطا کر چکا ہے۔

دنیا کے بعض ممالک میں سیاست دانوں کی تربیت کے باقاعدہ ادارے اور بعض ممالک نے عملی سیاست میں حصہ لینے کے درجہ وار مراحل طے کر رکھے ہیں۔لیکن ہمارے ہاں سیاست میں حصہ لینے کے لیے کسی دینی ودنیاوی تعلیم ہی کی کوئی شرط نہیں،لہٰذا سیاسی تعلیم وتربیت کا سوال کہاں باقی رہ جاتا ہے۔ہمیں سنجیدگی سے اس پر غور اور وطن کے پالیسی سازوں سے درخواست کرنی چاہیے کہ وہ کوئی ایسا نظام ترتیب دیں یا ایسی پلاننگ کریں کہ جس طرح پولیس،فوج،انتظامی،اکاؤنٹ وآڈٹ،پروٹوکول،زراعت وغیرہ کے تعلیمی وتربیتی ادارے ہیں اس طرح سیاست وحکمرانی کی تربیت کے ادارے بھی تشکیل دیں تاکہ اقتدار کی راہداریاں صرف جاگیرداروں،موروثی سیاست دانوں،ٹوڈی خاندانوں،صنعت کاروں یا جرنیلوں ہی سے ہمیشہ بارونق نہ رہیں بلکہ ان میں کچھ سیاسی علم سے آشنا،اور دیگر علوم کے پڑھے لکھے اور تربیت یافتہ سپوتوں کو بھی کبھی آزمایا جائے۔جس طرح کسی ڈاکٹر کو مشینری بنانے اور انجینئر کو آپریشن کی اجازت نہیں دی جاتی اسی طرح عالم وجاہل اور تربیت وغیر تربیت یافتہ حکمران میں فرق واضح ہو کہ شاید وطن اور قوم کا مقدر کبھی جھلملا اٹھے اور کوئی سنگ میل وجود میں آ جائے۔

درسِ قرآن

سورة البقرة (16)

...... اردو ترجمہ ......
حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ ۔م:۱۲۳۰ھ

......تعلیقات بر احسن الفوائد......
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ ۔م:۱۴۰۷ھ

......حواشی......
①......احادیث التفاسیر
مولانا حافظ حمید اللہ میرٹھی رحمہ اللہ ۔م:۱۳۳۰ھ
②......احسن الفوائد
مولانا سید احمد حسن صاحب دہلوی رحمہ اللہ ۔م:۱۳۳۸ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔''

درسِ قرآن کے عنوان سے پارہ اوّل مختصر حواشی کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا چکا ہے۔للہ الحمد پارہ دوم سے احسن الفوائد کے حواشی میں مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ نے اکثر مقامات پر حک و اضافہ کیا ہے، مولانا کا یہ کام تا حال غیر مطبوع حالت میں ان کے ترکہ میں محفوظ تھا۔آئندہ سے احسن الفوائد کے حواشی مولانا رحمہ اللہ کے تعلیقات کے ساتھ شائع ہوں گے۔ان شاء اللہ ...... مولانا کی عبارت کا امتیازی وصف یہ ہوگا۔(......عبارت......حنیف رحمہ اللہ)

﴿ سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّ سَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَيْهِ ؕ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَی الَّذِيْنَ هَدَی اللّٰهُ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَ لَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَ مَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَ مَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ ﴾

''اب بیوقوف لوگ کہیں گے مسلمان اپنے قبلے سے جس پر تھے کاہے پر (کیوں) پھر گئے، تو کہہ مشرق اور مغرب اللہ کی ہے (اللہ تعالیٰ) جس کو چاہے سیدھی راہ چلائے۔❶ [1] اور اسی طرح ہم نے تم کو معتدل امت کیا کہ تم لوگوں پر بتانے (گواہی دینے) والے ہو اور رسول تم پر بتانے (گواہی دینے) والا ہو(گا)❷ [2] اور ہم نے وہ قبلہ جس پر تو تھا نہیں ٹھہرایا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کون رسول کا تابع رہے گا اور کون الٹے پاؤں پھر جائے گا اور یہ بات بھاری ہوئی مگر ان پر (جنہیں) اللہ نے (سیدھی) راہ دی اور اللہ ایسا نہیں کہ تمہارا یقین لانا ضائع کر دے البتہ اللہ لوگوں پر شفقت رکھتا ہے مہربان (ہے)۔❸ ہم آسمان میں تیرا مونہہ پھر پھر جانا دیکھتے ہیں سو البتہ تجھ کو پھیریں گے جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے، اب اپنا مونہہ مسجد الحرام کی طرف پھیر اور جس جگہ (بھی) تم ہوا کرو اسی کی طرف مونہہ پھیرو اور جن کو کتاب ملی البتہ جانتے ہیں کہ یہی ٹھیک ان کے ربّ کی طرف سے ہے اور جو کرتے ہیں اللہ ان کاموں سے بے خبر نہیں۔❹ [3] اور اگر تو کتاب والوں کے پاس ساری نشانیاں لائے (پھر بھی) تیرے قبلے پر نہ چلیں گے [4] اور تو ان کا قبلہ نہ مانے (گا) اور ان میں (بھی ایسے ہیں جو) ایک دوسرے کا قبلہ نہیں مانتا اور (اگر) کبھی تو ان کی پسند پر چلا اس علم کے بعد جو تجھ کو پہنچا تو بے شک تو بھی بے انصافوں میں (سے) ہوگا۔''❺

احسن الفوائد

❶: حضرت محمد ﷺ جب مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو سوا برس تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی، پھر حکم آیا کہ کعبہ کی طرف نماز پڑھو۔ اس وقت یہود اور بعض کمزور مسلمان ان کے بہکانے سے شبہے ڈالنے لگے کہ سب نبیوں کا قبلہ وہ تھا، اسے چھوڑ نا نبی کی علامت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آگے ہی فرمایا کہ لوگ یوں ہی کہیں گے۔

آنحضرت ﷺ ہجرت سے پہلے جب تک کعبہ میں تشریف فرما تھے تو نماز اس طرح پڑھتے کہ کعبہ ہی پیش نظر رہتا اور صخرہ بیت المقدس کی طرف بھی مونہہ ہو جاتا۔ جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو سولہ سترہ مہینہ تک اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے، پھر آیت:

﴿ فول وجهك شطر المسجد الحرام ﴾

سے کعبہ کو قبلہ ٹھہرایا اور آپ ﷺ نے عصر کی نماز کعبہ کی طرف مونہہ کر کے پڑھی۔

یہود اور ان کے ساتھ مشرکین ومنافقین نے ہم زبان ہو کر اس تحویل قبلہ کا طنزیہ طور پر چرچا کرنا شروع کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اگر چہ یہ آیت:

﴿ فول وجهك شطر المسجد الحرام ﴾

سے نزول میں مؤخر ہے، مگر تبدیل قبلہ کی یہ آیت ایک تمہید ہے اس لیے تلاوت میں مقدم رکھی گئی۔

مسجد قبا والوں کو تبدیل قبلہ کی خبر دوسرے دن صبح کو پہنچی اس لیے انہوں نے قبلہ تبدیل ہو جانے کے باوجود عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں بیت المقدس ہی کی طرف مونہہ کر کے ادا کیں۔ نماز صبح کے دوران جب ان کو قبلہ تبدیل ہونے کی خبر ہوئی تو باقی نماز انہوں نے کعبہ کی طرف مونہہ کر کے پڑھی، لیکن آپ ﷺ نے انہیں ان تین نمازوں کو دہرانے کا حکم نہیں دیا۔

❷: یعنی جس طرح ان دو باتوں میں دیکھا کہ تمہارے پاس پوری بات ہے اور مخالفوں کے پاس ناقص ہے۔

(۱)...... اس سے ایک یہ معلوم ہوا کہ تم سب نبیوں کو مانتے ہو اور یہود و نصاریٰ کسی کو مانتے ہیں اور کسی کو نہیں مانتے۔

(۲)...... دوسرا یہ کہ تمہارا قبلہ کعبہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے مقرر ہوا ہے، نیز ابراہیم علیہ السلام سب کے پیشوا و امام ہیں، چناں چہ یہود ونصاریٰ کا قبلہ بعد میں ثابت ہوا۔

اس طرح تم ہر بات میں پورے ہو اور باقی امتیں ناقص۔ ان کو حاجت ہے کہ تم گواہی دو جب کہ تم کو یہ حاجت نہیں کہ تمہارے نبی محمد ﷺ کے علاوہ کوئی امت تمہاری گواہی دے۔

(...... صحیح بخاری وغیرہ میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن بلا کر پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی قوم کو ہمارا پیغام پہنچایا؟ وہ عرض کریں گے جی ہاں! پھر ان کی قوم حاضر کر کے اس سے پوچھا جائے گا: نوح علیہ السلام نے تم کو ہمارے حکم پہنچائے؟ وہ انکار کر دیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام سے فرمائے گا تمہارا گواہ کون ہے؟ وہ کہیں گے محمد ﷺ اور ان کی امت۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اس پر میں کہوں گا کہ میری امت کی گواہی سچ ہے۔ پھر فرمایا آیت:

﴿ وكذلك جعلنا كم امة وسطا ﴾ الآية

کا یہ مطلب ہے۔

وسط سے مراد عدل ہے۔ یعنی معتدل اور بہتر کہ اس کے عقائد واعمال میں افراط وتفریط نہیں۔ سب ان کی فضیلت کے معترف ہوں گے اس لیے وہ مقبول الشہادۃ ٹھہریں گے۔

[ابن کثیر وغیرہ]...... حنیف رحمہ اللہ)

❸: یعنی تمہارا قبلہ ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے کعبہ ہی مقرر ہے، ایمان آزمانے کے لیے چند روز بیت المقدس ٹھہرایا۔ اس امتحان میں جو لوگ ایمان پر قائم رہے ان کا درجہ بڑا ہے۔ [موضح]

(...... ایک شبہ یہ پیدا کیا گیا کہ اگر بیت المقدس غلط قبلہ تھا تو اس طرف پڑھی ہوئی گزشتہ نمازیں کیا ضائع گئیں؟ اس آیت میں ایمان

سے مراد نمازیں بھی لی گئی ہیں۔ فرمایا وہ نمازیں مرضی الٰہی کے موافق ہونے کی وجہ سے سب قبول ہیں۔[ابن کثیر]

اس آیت میں نماز کا نام ایمان رکھا۔ معلوم ہوا کہ جو مسلمان نمازی ہوتا ہے وہی مومن ہے، جو مسلمان کہلا کر نماز نہیں پڑھتا یا بے قاعدہ پڑھتا ہے وہ مومن نہیں۔ اسی لیے حدیث صحیح کی رو سے عمداً نماز کا تارک کافر ہے۔

یہی قول اہل حدیث کے نزدیک راجح ہے۔

نماز کو ایمان اس لیے کہا کہ اس میں نیت، قول وعمل سب جمع ہیں، یہی ایمان کی حقیقت ہے۔[ترجمان]......حنیف رحمہ اللہ)

❹: جب تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی جاتی تھی تو حضرت محمد ﷺ کا دل چاہتا تھا کہ نماز کعبہ کی طرف ادا کی جائے۔ آپ ﷺ آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے کہ شاید کوئی فرشتہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم لاتا ہو! پھر یہ آیت اُتری تب سے کعبہ مقرر ہوا۔

(......آنحضرت ﷺ کا آسمان کو دیکھنا نماز کے بعد ہوتا تھا:

کان النبی ﷺ اذا سلم من صلوته الی بیت المقدس رفع رأسه الی السمآء۔

فانزل الله: ﴿فلنولینك قبلة ترضاها﴾ الآیة [ابن کثیر]

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اوپر ہے۔

......حنیف رحمہ اللہ)

❺: جب آنحضرت ﷺ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تو یہود باہم چرچا کرتے تھے کہ ہمارا دین ایسا برحق ہے کہ یہ پیغمبر اپنے آپ کو نبی آخر الزماں کہتا ہے لیکن پھر بھی اس نے ہمارا قبلہ اختیار کر لیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ وہ ہمارا دین بھی اختیار کر لے گا۔

جب اوپر کی آیت میں تبدیل قبلہ کا حکم آ گیا اور آپ نے کعبہ کی طرف نماز پڑھنی شروع کر دی تو یہود نے پھر طرح طرح کے طنز کرنے شروع کیے، اس طنز کو رد کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا کہ ان کے یہ طعن وطنز فضول اور بے جا ہیں۔

توریت میں تبدیل قبلہ اور آپ ﷺ کے دوسرے اوصاف مذکور ہیں، ان کے سبب وہ نبی آخر الزمان کو اسی طرح جانتے ہیں جیسے ہزاروں لڑکوں میں والد اپنے لڑکے کو پہچان لیتا ہے۔ انہیں دلیل وحجت قائم کرنے کی حاجت نہیں، کیوں کہ ان کی آنکھوں پر عناد وتعصب کا ایسا پردہ پڑا ہوا ہے کہ دنیا بھر کی دلیلوں سے قائل نہ ہوں گے۔ بلکہ وہ تو حق بات کو جان بوجھ کر چھپاتے ہیں۔

یہاں اللہ پاک نے اپنے نبی کو خطاب کر کے امت کو یہ بھی سمجھا دیا کہ اہل علم میں سے اگر کوئی حق بات کو معلوم ہونے کے بعد کسی کے کہنے سننے سے ناحق بات کی طرف ڈھلے گا تو وہ سخت نادانی اور جہالت میں نیز قابل سزا ہوگا۔[ملخص]

احادیث التفاسیر

(ف:۱)عن البراء قال کان رسول الله ﷺ یصلی نحو بیت المقدس ویکثر النظر الی السماء ینتظر امر اللّٰه فانزل الله: ﴿قد نری تقلب وجهك فی السماء فلنولینك قبلة ترضاها فول وجهك شطر المسجد الحرام﴾ فقال رجل من المسلمین وددنا لو علمنا علم من مات منا قبل ان نصرف الی القبلة وکیف بصلاتنا قبل بیت المقدس۔ فانزل الله: ﴿وما کان الله لیضیع ایمانکم﴾ وقال السفهاء من الناس ما ولاهم عن قبلتهم التی کانوا علیها۔ فانزل الله: ﴿سیقول السفهاء ......﴾ الخ ۔

یعنی ’’رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور آپ کا جی چاہتا تھا کہ خانہ کعبہ کی طرف نماز کا حکم آ جائے، آپ ﷺ بار بار آسمان کی طرف اس آرزو میں دیکھتے کہ شاید اس کا حکم آ رہا ہو۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: ہم دیکھتے ہیں کہ تیرا منہ آسمان کی طرف پھر پھر جاتا ہے، سوالبتہ پھیریں گے تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے۔

پھر بعض مسلمانوں نے کہا کہ جو لوگ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کے زمانے میں فوت ہو گئے ہیں خدا جانے ان کا

حساب کیا ہوگا، کیوں کہ وہ قبلہ منسوخ ہوا تو ان کی نمازیں بے کار گئیں اور ہماری بھی ان نمازوں کا کیا ہوگا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

﴿ وما كان الله ليضيع ايمانكم ﴾

یعنی ''اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کرے۔''

یعنی وہ نمازیں بھی قبول ہیں۔

بعض احمق لوگوں نے اعتراض کیا کہ اتنے عرصہ تک بیت المقدس کی طرف کیوں نماز پڑھتے رہے اور اب کعبہ کی طرف نماز کیوں پڑھنے لگے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ سيقول السفهاء من الناس ما ولّٰهم ﴾

یعنی اللہ پاک نے فرمایا کہ احمق لوگ ایسا اعتراض کریں گے، ورنہ سمجھ دار کو تو یہ جاننا ہی کافی ہے کہ مشرق ومغرب سب اطراف وجوانب اللہ تعالیٰ کے ہیں جب چاہے جس طرف کو مرضی ہو حکم کردے۔''

(ف:۲) ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی امت کو ہمارے حکم پہنچائے تھے یا نہیں؟ وہ کہیں گے کہ جی ہاں! پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا کہ تم کو نوح علیہ السلام نے ہمارے حکم پہنچائے؟ وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس نصیحت کرنے والا کوئی بھی نہیں آیا۔

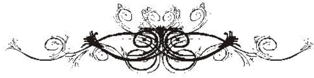
پھر نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا گواہ کون ہے؟ وہ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت میری گواہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تم لوگ بلائے جاؤ گے اور گواہی دو گے کہ بے شک نوح علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وكذلك جعلناكم ...... ﴾ الخ، سے یہی گواہی دینا مراد ہے اور اس بات سے قیامت کے دن تمہاری عظمت وفضیلت باقی تمام امتوں پر ظاہر ہوجائے گی۔ [ترمذی، ص:۱۳۵، ج:۲]

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(ف:۳) یعنی اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں، نیز ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ کعبہ شریف ہی تھا۔

(ف:۴) اگرچہ یہود ونصاریٰ دونوں کا قبلہ بیت المقدس ہے مگر یہودی صخرہ کو جب کہ نصاریٰ مشرق کو قبلہ خیال کرتے ہیں۔ جب ان کا آپس میں بھی اختلاف ہے تو بالفرض تم ان کی خاطر داری کرنا چاہو تب بھی یہ ممکن نہیں، کیوں کہ ایک کی موافقت کرو تو دوسرے کی مخالفت لازم آئے گی۔



درسِ حدیث

توفیــق البـــــاری

" الادب المفرد " للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ

تسهیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکرول شالامار باغ۔لاہور)

٦٠٤۔ عن ابی بکرة رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: ((كُلُّ ذُنُوبٍ يُؤخِّرُ اللّٰهُ مِنها ما شَاءَ إِلٰى يومِ القيامةِ، إِلَّا الْبَغْيَ، وَعُقُوقَ الْوَالِدَيْن، أو قطيعةَ الرّحم، يعجِّلُ لصاحبِها فِي الدُّنيا قبلَ الموتِ)) [صحيح]

''ابوبکرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جتنے گناہ ہیں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے قیامت کے دن تک اس کے گناہوں کی سزا میں تاخیر کرتا ہے مگر سرکشی کرنے والا، ماں باپ کا نافرمان اور قطع رحم کرنے والا۔ جلدی کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے لیے عذاب کو دنیا میں موت سے پہلے۔''

٦٠٥۔ عن يزيد بن الأصم قال: سمعتُ أبا هريرةَ يقولُ: يُبصر أحدُكُم القَذَاةَ فى عينِ أخيهِ، وينسَىٰ الجذلَ ...... أو الجذعَ ...... فى عينِ نفسهِ، قال أبو عُبيد: ((الجذل)) الخشبة العالية الكبيرة۔

[صحيح موقوفا]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی آنکھ کا تنکا دیکھ لیتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر اس کو نظر نہیں آتا۔ ابوعبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جذل لکڑی کے بڑے تنے کو کہتے ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ دوسرے کا ذرا سا عیب پکڑتا ہے اور اپنا بڑا عیب نہیں دیکھتا۔

٦٠٦۔ معاويةُ بن قُرّة قال: كنتُ مع مَعْقِلٍ المُزَنِيِّ فأماطَ أذَىٰ عن الطريقِ فرأيتُ شيئاً فبادرتُ فقالَ: ما حملَكَ على ما صنعتَ يا ابْنَ أخي؟ قالَ: رأيتُكَ تصنعُ شيئاً فصنعتُهُ قالَ: أحسنتَ يا ابْنَ أخي سمعتُ النبي ﷺ يقول: ((من أَمَاطَ أَذَىٰ عن طريقِ المسلمينَ كُتِبَ لهُ حسنةٌ، ومَنْ تُقُبِّلَتْ له حَسَنَةٌ دخلَ الجنَّةَ)) [حسن]

''حضرت معاویہ بن قرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں معقل مزنی رضی اللہ عنہ ہمراہ تھا۔ انہوں نے راستہ میں تکلیف دینے والی چیز کو ہٹایا پھر میں نے بھی کوئی ایسی چیز دیکھی اس کو جلدی سے راستے سے ہٹا دیا انہوں نے کہا میرے بھتیجے تو نے یہ کیوں کیا میں نے کہا آپ کو ایک کام کرتے دیکھا میں نے بھی ایسے کر دیا کہا میرے بھتیجے تو نے اچھا کیا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا جس نے مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کیا اس کے لیے ایک نیکی ہے جس کی ایک نیکی قبول ہوگئی وہ جنت میں جائے گا۔''

اس باب کی بعض احادیث کا ترجمۃ الباب سے گہرا تعلق ہے جو کہ نظر غائر کا محتاج ہے راستے سے تکلیف دینے والی چیز کانٹا، اینٹ، ہڈی، خربوزے کیلے کا چھلکا ہٹانے کی فضیلت آئی ہے۔ کیوں کہ یہ کام تواضع عاجزی والے کرتے ہیں تکبر والے نہیں کر سکتے۔

باب: قبول الهدية

ہدیہ قبول کرنے کے بیان میں

٦٠٧۔ سمعتُ موسٰی بن وَرْدَان عن أبی هريرةَ، عن النَّبِيّ ﷺ يقولُ: ((تَهَادُوُ تَحَابُّوْا)) [حسن]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مرفوع روایت کی ہے آپس میں ایک دوسرے کو تحفہ بھیجا کرو تاکہ دوستی اور محبت پیدا ہو۔''

٦٠٨۔ حدَّثنا سليمانُ بنُ المغيرة عن ثابت قال: كان أنسٌ يقولُ: يَا بَنِيَّ تَبَاذَلُوْا بينكُم فإنَّهُ أوَدُّ لِمَا بَيْنَكُمْ ۔ [صحيح الاسناد]

''انس رضی اللہ عنہ اپنے بیٹوں کو کہا کرتے تھے آپس میں ایک دوسرے پر خرچ کیا کرو اس سے تمہارے درمیان محبت پیدا ہوگی۔''

باب: من لم يقبل الهدية لما دخل البغض فی الناس

جس وقت بغض پیدا ہوجائے تو ہدیہ قبول نہ کرنے والے کا حکم

٦٠٩۔ عن أبی هريرة قال: أهْدَىٰ رجلٌ من بنی فَزَارةَ لِلنَّبِيّ ﷺ نَاقةً، فَعَوَّضَهُ، فَتَسَخَّطَهُ، فسمعت النَّبِيَّ ﷺ علی المنبرِ يقولُ: ((يهدِی أحدهُمْ فَأعوِّضُهُ بِقَدَرِ ما عندِی، ثم يَسْخَطُه، وأيْمُ اللّٰهِ لا أقبلُ بَعدَ عَامِیْ هٰذَا مِنَ العَربِ هديةً إلَّا مِنْ قُرشِيّ أوْ أنصارِيّ أوْ ثقفِيّ أوْ دَوْسِيّ)) [صحيح]

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں بنی فزارہ کے ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو ایک اونٹنی ہدیہ (تحفہ) میں دی۔ آپ نے اس کے ہدیہ کے بدلے میں ہدیہ دے دیا۔ وہ شخص ناراض ہوگیا۔ میں نے آپ ﷺ کو منبر پر کہتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا: کوئی شخص مجھے ہدیہ دیتا ہے میں بھی اس کے بدلے میں ہدیہ دیتا ہوں جو میرے پاس ہوتا ہے وہ ناراض ہوجاتا ہے اللہ کی قسم میں اس سال کے بعد اہل عرب سے کسی قسم کا کوئی ہدیہ قبول نہیں کروں گا مگر قریشی اور انصاری، ثقفی، دوسی کا ہدیہ قبول کرلوں گا۔''

باب: الحياء

حیا کے بیان میں

٦١٠۔ حدَّثنا أبو مسعودٍ عقبةَ قال قال النبی ﷺ: ((إنّ ممَّا أدركَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النّبوَّةِ، إذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ)) [صحيح]

''ابومسعود عقبہ نے مرفوع روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کلام نبوت سے جس کو لوگوں نے پایا ہے ایک یہ کلام ہے جب تجھ میں حیا نہ رہے تو جو چاہو کرو۔''

٦١١۔ عن أبی هريرة، عَنِ النَّبِيّ ﷺ قال: ((الإيمانُ بِضْعٌ وستُّون ...... أوْ بِضْعٌ و سبعُون ...... شُعْبَةً، أفْضَلُهَا لَا إلٰهَ إلَّا اللّٰهُ، وأدْنَاهَا إمَاطَةُ الأذَىٰ عَنِ الطَّرِيْقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإيْمَانِ)) [صحيح]

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مرفوع روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان کی ساٹھ سے کچھ اوپر یا ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں۔ افضل ان میں سے لا الٰہ الا اللہ ہے اور سب سے ادنی شاخ یہ ہے کہ راستہ سے تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دیا جائے اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔''

معلوم ہوا کہ بے حیا کے ایمان میں خلل رہتا ہے۔

٦١٢۔ عن عبد الله ابن عبيد الله ابن عتبة مولی انس سمعتُ أبا سعيد قالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أشَدَّ حَيَاءً مِنْ عَذْرَاءَ فِیْ خِدْرِهَا، وَكَانَ إذَا كَرِهَ عَرَفْنَاهُ فِیْ وَجْهِهٖ ۔

''عبداللہ بن عبیداللہ بن عتبہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابوسعید کو کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ ایک پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ جب کوئی چیز آپ کو ناگوار ہوتی تو ہم آپ کے چہرے میں اس کے اثرات محسوس کرلیتے۔ یہ حدیث ابوسعید سے دوسرے طرق سے بھی آئی ہے۔''

معاشرتی مسائل

خانگی پیچیدگیاں ...... اسباب اور علاج

مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ

قرآنِ مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بنیادی عقائد کے بعد عملی زندگی سے متعلق جن مسائل کی تفصیل قرآنِ مجید میں بیان ہوئی ہے وہ انسان کی معاشرتی اور خانگی زندگی ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ قرآنِ مجید نے سیاسی، معاشی اور عبادات کے بارے میں بھی واضح رہنمائی دی ہے۔ لیکن جس قدر تفصیلات معاشرتی زندگی کے بارے میں قرآن میں ملتی ہیں اُتنی تفصیلات دوسرے عملی مسائل کے بارے میں نظر نہیں آتیں۔

معاشرتی اُصول ہی نہیں بتائے گئے بلکہ بہت سی اہم جزئیات کی بھی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ بقرہ دوسرے پارہ کا تقریباً نصف حصہ طلاق و نکاح، رضاعت اور عدت وغیرہ کے مسائل پر مشتمل ہے۔ اسی طرح سورۂ نساء، سورۂ نور، سورۂ احزاب، سورۂ طلاق، سورۂ تحریم اور سورۂ مجادلہ میں معاشرتی اور خانگی مسائل کی تفصیلات پوری وضاحت کے ساتھ ملتی ہیں۔ یہ تمام سورتیں مدنی ہیں۔ بعض مکی سورتوں میں بھی ازدواجی زندگی کے مقصد کو واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا:

﴿ وَ مِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّ رَحْمَۃً ﴾ [روم:۲۱]

اِس آیت میں نکاح کے دو مقاصد بیان کیے گئے ہیں:

① ...... انسان کو دنیا کی ہنگامہ پرور زندگی میں گوشۂ سکون و عافیت حاصل ہو۔

② ...... گھریلو زندگی پر محبت و شفقت کی خوشگوار فضا چھا جائے۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ آخر قرآنِ مجید میں معاشرتی اور خانگی مسائل کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے۔ قرآن کا یہ انداز بیان واضح کرتا ہے کہ خانگی زندگی پورے نظامِ زندگی کو درست رکھتی ہے۔ اور اگر اس میں بگاڑ اور انتشار پیدا ہو جائے تو اس کے اثرات زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی گوشوں پر پڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ عبادت کے اندر بھی انسان یکسوئی سے محروم ہو جاتا ہے۔

اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ خانگی زندگی میں بے چینی عام ہوگئی ہے، کوئی گھر ایسا نہ ہوگا جو اس اضطراب اور انتشار سے خالی نظر آئے۔ خوش حال گھرانہ ہو یا تنگ دست، مہذب ہو یا غیر مہذب، شہری ہو یا دیہاتی، دیندار ہو یا بے دین، تعلیم یافتہ ہو یا ان پڑھ، مشرقی ہو یا مغربی، کوئی بھی خاندان ایسا نظر نہیں آئے گا جو اضطراب و انتشار کے ان جراثیم سے پاک ہو۔

افسوس تو یہ ہے کہ دیندار گھرانے بھی اس بے چینی سے محفوظ نہ رہ سکے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دین دل کی گہرائیوں میں اترنے کی بجائے صرف چند ظاہری آداب و احکام میں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ اخلاقی انقلاب برپا نہیں ہوسکتا جو باطنی تبدیلی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اچھے خاصے دین دار گھرانے خانگی ابتری اور بدنظمی کے لحاظ سے دین سے بے پرواہ گھرانوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔

ضرورت ہے کہ پورے غور و فکر اور دلسوزی کے ساتھ اس اضطراب اور بے چینی کے اسباب کا تعین کیا جائے اور پھر اُن کا علاج سوچا جائے۔

چند نمایاں اسباب یہ محسوس ہوتے ہیں:

① ...... شادی بیاہ کے مقابلے میں محض جذباتِ محبت اور حسن پرستی کی بنا پر جلد بازی سے فیصلہ کر لیا جاتا ہے یا ظاہری خوشحالی کشش کا

باعث بن جاتی ہے۔لیکن ان بنیادوں پر جو رشتے وجود میں آتے ہیں وہ عام طور پر بہت جلدی اپنا باہمی اعتماد کھو بیٹھتے ہیں۔حسن وجمال یا دولت کے پرفریب پردوں کے پیچھے سے جب اصل حقیقت رونما ہوتی ہے اور ایک دوسرے کی کمزوریاں نمایاں ہوتی ہیں تو محبت والفت کا سارا نشہ ہوا ہوجاتا ہے۔اور ازدواجی زندگی تلخیوں اور بدمزگیوں سے آلودہ ہوجاتی ہے۔ایسے رشتوں کا انجام یا تو طلاق کی صورت میں سامنے آتا ہے یا پھر مرد یا عورت کڑوے گھونٹ پیتے ہوئے اپنی زندگی گزارتے ہیں۔

②......مزاج کا اختلاف: میاں بیوی کے مزاج کے اختلاف سے بھی بہت الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرد بہت ہی زیادہ تیز مزاج اور زود رنج ہونے کی بنا پر گھر والوں کے لیے ایک مصیبت بن جاتا ہے۔ذرا ذرا سی بات پر اس کے غصے کا پارہ چڑھ جاتا ہے۔اور اکثر اوقات گھر کی فضا باہمی جھگڑوں سے آلودہ رہتی ہے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ میاں بیوی کا مزاج اور ذوق ہر مسئلے میں یکساں ہو۔اختلاف مزاج کی صورت میں جب تک کہ قوتِ برداشت نہ ہو خانگی زندگی خوشگوار ماحول میں نہیں گزر سکتی۔شوہر کا بھی فرض ہے کہ وہ بیوی کے ذوق اور مزاج کا لحاظ رکھے اور عورت کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اس معاملے میں اپنے ذوق پر اصرار نہ کرے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ شوہر کسی بات پر غضب ناک ہوگیا ہے، اگر اس موقع پر عورت بجائے سنجیدگی کے ہنسی مذاق میں بات ٹالنے کی کوشش کرے گی تو ہوسکتا ہے کہ شوہر کا غصہ اور تیز ہوجائے۔

اسی طرح اگر مرد یہ سمجھتا ہے کہ عورت میں بعض کمزوریاں ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ سراپا برائی بن گئی ہے۔ایک حدیث میں آتا ہے کہ مومن مرد، مومن عورت سے بغض نہ رکھے۔اگر اس کی ایک عادت ناگوار ہے تو ہوسکتا ہے کہ اُس کی دوسری عادت اس کے لیے کشش کا باعث بن جائے۔

③......عورت اپنے شوہر کی ذمہ داریوں کو محسوس نہیں کرتی۔ خصوصاً ان حالات میں جب کہ شوہر کا تعلق اجتماعی یا علمی مشاغل سے ہو۔ظاہر ہے ان حالات میں مرد کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ زندگی کے اہم مسائل انجام دے۔اپنے اوقات صرف کرے۔اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گھر کے مسائل کے لیے بہت کم وقت نکال سکتا ہے یا بالکل ہی بے تعلق ہوجاتا ہے۔یہ صورت حال عورت کے لیے ناقابل برداشت ہوجاتی ہے۔اس معاملے میں افراط وتفریط سے بچتے ہوئے مرد کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے ہمہ گیر مشاغل میں سے گھر کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے بھی وقت نکالے۔عورت کو بھی چاہیے کہ وہ شوہر کی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے اگر اس کے کاموں میں تعاون نہیں کرسکتی تو کم سے کم رکاوٹ بھی نہ بنے۔

امام زہری ایک بہت مشہور محدث گزرے ہیں۔جب وہ کتابیں لے کر گھر میں داخل ہوتے تو بیوی کی زبان سے نکل جاتا کہ یہ کتابیں میرے لیے تین سوکنوں سے بھی زیادہ بھاری ہیں۔بہرحال اگر دونوں طرف سے اعتدال کی راہ اختیار کی جائے اور ایک دوسرے کے ذوق اور ذمہ داریوں کا لحاظ رکھا جائے تو کوئی ناگوار صورت نہیں پیدا ہوسکتی۔

④......بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ گھر کے ہر معاملے میں دخل انداز ہوتے ہیں حتی کہ مطبخ (باورچی خانہ) میں بیوی کو کھانے پکانے کے بارے میں بھی ہدایات دینے بیٹھ جاتے ہیں۔یہ طریق کار عورت کے لیے چڑچڑے پن کا باعث بن سکتا ہے۔

⑤......عورت کی بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ لباس اور آسائش کے معاملے میں اپنی سہیلیوں، پڑوسنوں اور رشتہ دار عورتوں کی مرضی کرتی ہے کہ اس کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ دوسروں کی طرح بہترین لباس اور زیور سے آراستہ ہو اور بہتر فرنیچر سے گھر کی زیبائش دوبالا ہو۔لیکن اس قسم کی خواہش ہر شوہر پوری نہیں کرسکتا۔

کتنے شوہر ایسے ہوتے ہیں جو اپنی محدود آمدنی کی وجہ سے اس قسم کی خواہشات کو پورا نہیں کرسکتے۔اس کا نتیجہ تلخی اور باہمی نزاع کی صورت میں رونما ہوتا ہے۔اور بڑھتے بڑھتے صورت حال انتہائی خطرناک ہوجاتی ہے۔اس بارے میں عورت کا فرض ہے کہ وہ شوہر کی آمدنی کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی ضروریات کا تعین کرے۔

اس وقت افسوس ناک صورتِ حال یہ ہے کہ روزانہ نت نئے فیشن

بدلتے رہتے ہیں۔ اور تھوڑے تھوڑے وقفے بعد نئی پوشاک کا مطالبہ شروع ہوجاتا ہے۔

ہاں! اس سے انکار نہیں کہ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو اپنے بخل اور کنجوسی کی وجہ سے کئی ناگزیر ضروریات کو بھی پورا نہیں کرتے۔ یہ چیز شریعت کی نگاہ میں انتہائی ناپسندیدہ ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ آئی اور اُس نے دریافت کیا کہ میرا شوہر انتہائی بخیل ہے وہ مجھے اتنا نفع نہیں دیتا جس سے کہ میں اپنی بنیادی ضروریات اور اولاد کے مصارف پورے کرسکوں۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا تم اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر بقدر ضرورت لے سکتی ہو۔

⑥......بعض حالات میں بدگمانی بھی تلخی کا باعث بن جاتی ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوجاتا ہے کہ شوہر گھر سے باہر کچھ رقم خرچ کرڈالتا ہے لیکن اُسے یاد نہیں رہتا۔ مگر گھر آکر اپنی بیوی کو مطعون کرتا ہے یا اُس کو شبہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ یہ رقم اس نے ہضم کرلی ہے۔ ان حالات میں بھی قدرے تحمل اور برداشت سے کام لیا جائے تو یہ معاملہ سلجھ سکتا ہے۔ لیکن جلد بازی میں معاملہ حد سے بڑھ جاتا ہے۔

اسی طرح بے بنیاد شبہات کی بنا پر عورت کی عصمت وعفت کے بارے میں بدگمان ہوجانا بھی درست نہیں ہے۔ اس سے انتہائی تلخیاں اور الجھنیں پیدا ہوجاتی ہیں۔

⑦......شوہر کی بدمزاجی بھی بسا اوقات گھریلو نزاع کا باعث بنتی ہے۔ ایک صاحب بیان کررہے تھے کہ ایک شخص نے اپنے لیے ایک نفیس کپڑا خریدا اور بیوی سے جاکر کہا کہ میں یہ اپنی قمیص کے لیے لایا ہوں۔ دوسرے دن شوہر نے اس سے پوچھا کہ قمیص تیار ہوگئی ہے؟ بیوی نے جواب میں کہا کہ ''وہ کپڑا تو بہت ہی خوب صورت تھا مجھے پسند آ گیا میں نے اُس کی اپنی قمیص بناڈالی۔''

بس یہ سننا تھا کہ شوہر کے تن بدن میں آگ لگ گئی، غصے سے بے قابو ہوگیا، صندوق میں جتنے بھی بیوی کے قیمتی کپڑے رکھے ہوئے تھے، سب پانی کے بھرے ہوئے ٹب میں لاکر ڈال دیئے۔ عورت نے یہ صورت حال دیکھی تو اُس نے شوہر کے غصہ کو فرو کرنے کے لیے کہا کہ ''کپڑا تو جوں کا توں موجود ہے میں نے تو ہنسی میں ایک بات کہہ دی تھی۔''

ظاہر ہے کہ مرد کا ایسا چڑچڑا پن گھریلو زندگی کے لیے انتہائی مہلک ہوسکتا ہے۔ اس بارے میں مرد اس خیال میں رہتا ہے کہ فلاں معاملہ میں میرے وقار کو صدمہ پہنچا ہے اس لیے انتہائی کارروائی ضروری ہے۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو جو اونچا مقام دیا ہے اُس کا تقاضا ہے کہ وہ فراخ دلی اور فیاضی سے کام لیتے ہوئے چشم پوشی اور درگزر کی پالیسی اختیار کرے۔

قرآن میں ارشاد ہے:

''اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے تمہارے دشمن ہیں، اُن سے چوکنے رہو، اور اگر تم معاف کرو، درگزر کرو اور چشم پوشی اختیار کرو، تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

ہاں اس واقعہ سے بھی انکار نہیں کہ بعض عورتیں بھی اپنی تیز مزاجی اور زبان درازی کی بنا پر پوری طرح گھر پر مسلط ہوکر مرد کو بے بس کر ڈالتی ہیں۔ ان کا علاج بھی یہی ہوسکتا ہے کہ اُن کی طبعی کجی کو برداشت کرتے ہوئے ہر طرح اصلاح کی کوشش جاری رکھی جائے۔

⑧......آٹھویں پیچیدگی جو عام طور پر گھروں میں پیش آتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اسّی فیصد خاندان اس کا شکار نظر آتے ہیں۔ وہ ساس، بہو، نند، بھاوج کے جھگڑے ہیں۔ یہ رشتے بڑے ہی نازک ہوتے ہیں۔ اگر مرد ان معاملات میں دوراندیشی اور خداترسی سے ذرا بھی بیگانہ ہوجائے تو گھر کا پورا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور جڑے ہوئے دل ایک دوسرے سے ٹوٹ جاتے ہیں۔

اس قسم کی تلخیوں سے انسان اسی وقت بچ سکتا ہے جب کہ ماں، بہن، بیوی اور اولاد میں سے ہر ایک کے حقوق انصاف کے ساتھ ادا کرتا رہے۔ خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ مرد باکار ہونے کی بجائے کان کا کچا اور پیٹ کا ہلکا ہوکر رہ جائے۔ جس نے بھی کان بھر دیئے اسی

پر یقین کر کے نا انصافی پر تل جائے۔ یہ طرزِ عمل اُس منصب قوامیت (رہنمائی، نگرانی) کے خلاف ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس کو فطری طور پر سرفراز فرمایا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی پیچیدگیاں ہوسکتی ہیں لیکن نمایاں طور پر مؤثر اسباب یہی مشاہدے میں آتے ہیں۔

علاج: گھریلو معاملات ہو یا دوسرے امور ان کے سلجھانے یا خوشگوار فضا میں بحال رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ میاں بیوی دونوں کے دل خدا کے خوف اور آخرت کی باز پرس کے اندیشے سے بھرپور ہوں۔ گھر کے معاملات کو ڈنڈے کے زور سے درست نہیں کیا جاسکتا۔ اگر مرد کے دل میں خدا کا خوف ہے اور اُسے یہ یقین ہے کہ مرنے کے بعد ایک خبیر وبصیر ہستی کے سامنے اس کو ذرّے ذرّے کا حساب دینا ہوگا تو وہ کبھی بھی اپنی بیوی پر ظلم وزیادتی نہیں کرسکتا۔

اسی طرح اگر عورت کا دل ایمان کی روشنی سے منور ہے تو وہ بھی اپنی آبرو یا شوہر کے مال میں نہ خیانت کا ارتکاب کرسکتی ہے اور نہ کوئی ایسا روّیہ اختیار کرسکتی ہے جس سے گھر کی فضا تلخیوں اور ناگواریوں سے بھر جائے۔ اسی لیے نکاح کے موقعے پر جو خطبہ پڑھا جاتا ہے اُس میں تین آیتوں کے پڑھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ پہلی آیت یہ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ [آلِ عمران:۱۰۲]

یعنی ''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اسلام ہی کی حالت میں۔''

دوسری آیت میں ہے کہ

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾ [النساء:۱]

تیسری آیت یہ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ٥ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ [الاحزاب:۷۰، ۷۱]

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور زبان سے درست بات نکالو اللہ تمہارے اعمال درست فرمائے گا۔ اور گناہوں کو معاف کردے گا، اور جو اللہ ورسول کی اطاعت کرتا ہے وہ درحقیقت بہت بڑی کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔''

ان تینوں آیتوں میں چار دفعہ ﴿اتقوا﴾ آیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب تقویٰ کی کیفیت دل میں پیدا ہوجاتی ہے تو انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق تلف کرتے ہوئے ایسا محسوس کرتا ہے جیسے پہاڑ اس کے سر پر گر جاتا ہے۔ ظاہر بات ہے دل کی کیفیت ایسی ہوجائے پھر گھر کا ماحول پر خلوص محبت اور پائیدار مسرت سے ہمکنار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

②...... شادی بیاہ کے موقع پر مال ودولت، حسن وجمال یا خاندانی وجاہت کو پسند ناپسند کا معیار نہ بنایا جائے بلکہ اصل چیز یہ دیکھی جائے کہ تقویٰ کی دولت سے وہ گھرانہ، وہ رشتہ دار مالا مال ہیں یا نہیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ عورت سے شادی کی جاتی ہے مال وجمال یا خاندانی شرافت کی بنا پر یا دینداری کی بنا پر لیکن ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دینداری کے پہلو کو ترجیح دے۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ عورتوں سے شادی اُن کی خوب صورتی کی بنا پر نہ کرو کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ اُن کا حسن وجمال ان کو ہلاکت میں ڈال دے، اور نہ مال کی بنا پر شادی کرو اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ دولت کی فراوانی عورت کو سرکشی میں مبتلا کردے، بلکہ شادی کی اصل بنیاد دیندارانہ رجحانات کو بناؤ۔ [ابن ماجہ]

حقیقت بھی یہی ہے کہ جو تعلقات رشتے اور دوستیاں دین وتقویٰ کی بنیاد پر قائم ہوتی ہیں وہ نہ صرف دنیا میں پائیدار رہتی ہیں بلکہ آخرت میں بھی یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے قائم رہتا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے:

﴿ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَىِٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴾

''تمام دوست اُس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر تقویٰ والے۔'' [الزخرف: ٦٧]

③......حسن اخلاق کا اہتمام: حسن اخلاق کا مطلب یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں فیاض، فراخ دل اور ایثار کے جذبات سے سرشار ہوں۔ بہت سے معاملات حسن اخلاق اور حسن سلوک سے سلجھائے جاسکتے ہیں۔قرآنِ مجید میں ہے: ﴿ عاشروھن بالمعروف ﴾
بعض مردوں کا فرض ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔

حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

خیر کم خیر کم لأهله وأنا خیر کم لأهلي ۔

''تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہے
اور میں تم میں سے زیادہ اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہوں۔''

یہ شکل انتہائی فساد انگیز ہے کہ انسان گھر کے باہر تو لوگوں سے بڑی خوش اخلاقی سے پیش آئے۔لیکن گھر پر داخل ہوتے ہی سرتاپا غیظ وغضب بن جائے۔اسی طرح عورت کا روّیہ بھی تلخ نتائج پیدا کرسکتا ہے کہ اپنی سہیلیوں اور رشتہ داروں سے انتہائی خوش مزاجی سے ملے اور شوہر کے حصے میں صرف اس کی بدزبانی اور چڑچڑاپن رہ جائے۔

④......خودغرضی سے پرہیز: یعنی یہ صورتِ حال نہیں ہونی چاہیے کہ میاں بیوی دونوں اپنی اپنی جگہ صرف اپنے مفاد کو مقدم رکھیں اور گھر کے اجتماعی مفاد سے بالکل ناآشنا ہوجائیں۔ان حالات میں خلوص ومحبت کے ساتھ دلوں کا جڑنا ناممکن ہے۔

سلف صالحین کی بعض خواتین کے بارے میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ جب اُن کے شوہر معاش کے لیے گھر سے نکلتے تو وہ اُن سے صاف صاف کہہ دیتیں کہ خبردار! حرام کی کمائی لے کر نہ آنا۔ہم سوکھی روٹیاں کھا سکتی ہیں، پیوند لگے کپڑے پہن سکتی ہیں لیکن حرام کی کمائی کھا کر جہنم کے شعلے برداشت کرنے ہمارے بس سے باہر ہیں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا انتہائی جفاکش تھیں۔ شوہر کو آرام پہنچانے اور گھر کی فضا کو خوشگوار بنانے کے لیے انہوں نے اپنا خون پسینہ ایک کر دیا تھا۔وہ خود کہتی ہیں کہ میرے شوہر کے پاس ایک گھوڑا اور ایک اونٹ تھا۔ میں ان دونوں کے لیے باہر سے جا کر چارہ فراہم کرتی، سر پر لاد کر لاتی اور گھر کے سارے کام انجام دیتی۔ جب میرے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ترس کھا کر اونٹ اور گھوڑے کے لیے ایک خادم دے دیا تو مجھے محسوس ہوا کہ گویا میرے باپ نے مجھے غلامی سے چھڑا کر آزادی سے ہمکنار کر دیا ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ نہ پہلی حالت میں کوئی شکوہ زبان پر آیا اور نہ دوسری حالت میں فخر وغرور میں مبتلا ہو کر خدمت واطاعت سے بیگانہ ہوئیں۔ بلکہ عورت کا صرف یہی فرض نہیں ہے کہ وہ خود خاموشی سے ہر قسم کی مشقت ومحنت برداشت کرے بلکہ اپنے شوہر اور اپنی اولاد کو بھی جفاکش اور ناسازگار حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ابھارے اور ہمت دلائے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ابوالدحداح نے جب یہ آیت سنی:

﴿ من ذا الذی یقرض اللّٰہ قرضا حسنا ﴾

کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے گا۔اللہ تعالیٰ اُسے دوگنا چوگنا اجر دے گا۔تو انہوں نے اپنے ایک باغ جس میں وہ خود بال بچوں سمیت رہا کرتے تھے، اللہ کی راہ میں دے ڈالا۔آنحضور ﷺ کی خدمت میں یہ پیش کش کرنے کے بعد جب وہ اپنے باغ کے پاس پہنچے تو انہوں نے باہر ہی سے اپنی بیوی کو آواز دی کہ بچوں کو لے کر باغ سے باہر نکل آؤ کیوں کہ یہ باغ ہمارا نہیں رہا، خدا کی راہ میں وقف کر دیا گیا ہے۔

ابوالدحداح کی بیوی کا سینہ بھی ایمان کی روشنی سے منور اور دینی تربیت کے زیور سے آراستہ تھا۔انہوں نے کسی رنج وملال کے اظہار کے بجائے نہایت ہی خوش دلی سے کہا (ربح بیعک) خدا کے ہاں تمہاری یہ تجارت نفع بخش ثابت ہو۔

اس طرح کی مشہور شاعرہ خنساء کا واقعہ ملتا ہے کہ انہوں نے کس طرح اللہ کی راہ میں ثابت قدمی دکھائی اور بڑے سے بڑے دل ہلا دینے والے مصائب خدنہ پیشانی سے برداشت کیے۔ یہی وہ خاتون ہیں اسلام لانے سے پہلے اپنے بھائی صخر کے مرنے پر دن رات روتے روتے آنکھیں سفید کر لی تھیں۔اُن کے دردناک مرثیے بھی عربی ادب میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔لیکن اسلام لانے کے بعد ایسی کایا پلٹی کہ

دور فاروقی میں جنگ قادسیہ کے موقع پر اُن کے چار پانچ نوجوان لڑکے جہاد میں شریک ہوئے۔ اچانک خبر ملی کہ وہ سب کے سب اللہ کی راہ میں شہادت کے رتبے سے سرفراز ہوگئے ہیں۔ لیکن اس خبر سے نہ ان میں کوئی اضطراب پیدا ہوا نہ بے چینی کا اظہار کیا نہ کوئی صف ماتم بچھی بلکہ بڑے اطمینان کے ساتھ ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے:

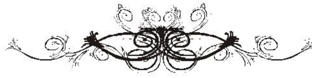
''تمام حمد وثنا اس ذات پاک کے لیے ہے جس نے مجھ کو یہ شرف بخشا کہ میرے بچوں کو شہادت کا مرتبہ حاصل ہوا۔ مجھے امید ہے کہ ایک دن میرا ربّ مجھ کو اور اُن کو اپنی رحمت کی آغوش میں یکجا کردے گا۔''

اسلامی تاریخ میں اس قسم کی بہادری کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ جب گھروں میں رہنے والی خواتین ایسی ہوں اور مردوں کے اوصاف وہ جو پہلے بیان کیے جا چکے ہیں، تو پھر خانگی زندگی میں الجھنیں اور تلخیاں کیسے پیدا ہوسکتی ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ بازاروں میں، جلسہ گاہوں میں، دفتروں اور کالجوں میں، جنگ کے میدانوں اور اسمبلی کے ایوانوں میں کامیابی اور سرفرازی تلاش کرنے سے پہلے انسان کو اپنی ذات میں اور اپنے گھر میں سعادت اور کامیابی کی تلاش کرنی چاہیے۔

قرآنِ مجید میں اس اہم فرض کی طرف ان الفاظ میں رہنمائی کی گئی ہے۔

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا ﴾

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔'' [التحریم:٦]



قند مکرر

مسلمان عورت اور اسلامی پردہ!

مولانا عبدالحلیم صاحب قاسمی

کائناتِ ہستی میں جس قدر مخلوقات موجود ہے وہ اپنے موجود رہنے کے لیے قدرت کے لازوال قوانین کی پابند ہے۔ اگر ذرا بھی غور وفکر کیا جائے، تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح درخشاں نظر آئے گی کہ مخلوقات کے انواع واقسام اور اس کے مختلف درجات کے تحفظ وبقا کے لیے قدرت نے الگ الگ نہ صرف اُصول وضوابط مقرر کردیئے بلکہ ہر ایک کی پرورش اور تربیت کا ایسا وسیع انتظام کردیا ہے جس کو دیکھ کر انسانی عقل حیران ہو کر رہ جاتی ہے۔

مخلوقات میں سے کسی نوع کی بقا اس کی نشو ونما اور ارتقاء اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ اس کے خصوصی امتیازات اور نشانات کو برقرار رکھا جائے اور اس نوع کو ان فطری اصولوں سے متمتع ہونے کا موقعہ دیا جائے جو قدرت نے اس کے لیے وضع کیے ہیں۔ کسی نوع کے خصوصی امتیازات کو مٹانا اور اس کے قدرتی اصول زیست کو نظر انداز کردینا اس نوع کے صفحۂ ہستی سے ختم کردینے کے مترادف ہے۔

جمادات، نباتات اور حیوانات کا وجود اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے جب کہ ہر ایک کو قدرت کے بنائے ہوئے فطری اصولوں سے نفع اندوز ہونے کا موقع دیا جائے۔ اور ان کے خصوصی امتیازات اور نشانات کو قائم رکھنے کی ہر ممکن سعی کی جائے تاکہ ہر ایک کا وجود شانِ امتیازی کے ساتھ قائم رہ کر ترقی کرسکے۔

جمادات میں غور وفکر اور تدبر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین کے مختلف حصہ کے ذرّات مختلف اثرات اور مختلف خصوصیات کے حامل ہیں۔

زمین کا کچھ حصہ قابل زراعت ہے اور کچھ حصہ ناقابل زراعت جو رقبہ زمین زراعت کی صلاحیت رکھتا ہے اس سے خصوصی وسائل اور اصولِ زراعت کی پابندی سے اجناس خوردنی غلہ، میوہ جات، پٹ سن، کپاس اور سبزیاں حاصل کی جاسکتی ہیں۔ پانی، مٹی کا تیل، پٹرول، نمک، کوئلہ، سونا، چاندی، تانبا، لوہا اور دیگر دھاتیں اس خطہ ارضی سے حاصل کی جاسکتی ہیں جو زراعت کے قابل نہیں ہے۔

خالق ارض وسماء نے جن اجزاء زمین اور ذرّات زمین میں غلہ کی پیداوار کی صلاحیت رکھی ہے وہ ان اجزاء اور ذرّات سے مختلف ہیں جو سونا، چاندی، پٹرول، تیل اور پانی پیدا کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ غلہ پیدا کرنے والے اجزاء تیل، پٹرول یا سونا چاندی ظاہر کریں یا وہ ذرّات زمین جن سے سونا چاندی یا لوہا حاصل ہوتا ہے سبزی پیدا کریں تو یہ خیال باطل ہے اور فطری اصول وضوابط میں رخنہ اندازی ہے۔

اسی طرح حیوانات میں فکر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ بے شمار انواع واقسام کے جانور حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کیے ہیں۔ بحری جانور، بری جانور، فضائی جانور۔ بحری جانور جن کی زیست وبقاء پانی کی محتاج ہے۔ بری جانور جن کی زندگی خشکی کی محتاج ہے۔ فضائی اور ہوائی جانور جو ہوا کے زیادہ تر محتاج ہیں۔ ان تمام جانوروں کے زندہ رہنے کے لیے قدرت نے الگ الگ اصول وضوابط مقرر کردیئے ہیں۔ سمندری اور دریائی جانوروں کے اصول حیات ان جانوروں سے مختلف ہیں جو جنگل میں رہتے ہیں اور جنگل میں رہنے والے جانوروں کے اصولِ زیست ان جانوروں سے مختلف ہیں جو ہوا میں اڑتے ہیں۔

ان جانوروں میں سے بعض پالتو جانور ہیں اور بعض غیر پالتو۔

ان کے بھی اصولِ معیشت میں شدید اختلاف ہے۔ بحری، بری اور فضائی جانوروں میں سے بعض شکاری جانور ہیں اور بعض غیر شکاری۔ شکاری جانوروں کو قدرت نے جو جذبہ اقدام وانتقام عطا کیا وہ ہے وہ غیر شکاری جانوروں میں نہیں پایا جاتا۔

شکاری جانوروں کی نگاہ، دل، ہاتھ، پاؤں، پنجے اور ناخن غیر شکاری جانوروں سے مضبوط اور توانا ہوتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص تقاضا کرے کہ بکری شیر بن جائے، یا کبوتر باز بن جائے، یا مچھلی مگر مچھ بن جائے اور اس خبط و وہم اور خام خیال میں مبتلا ہو کر سر پیٹنا شروع کر دے تو یہ اس کا دماغی فتور ہوگا۔ بکری بہر حال بکری ہے اور شیر بہر حال شیر ہے۔ ان جانوروں کی خصوصیات زائل کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا جائے تو بے کار ہے۔

بعینہ اسی طرح انسان جو اشرف المخلوقات ہے جس کو قدرت نے بولنے کے لیے زبان، غور وفکر کے لیے عقل اور احساس کے لیے دل دے کر دوسرے حیوانات سے ممتاز کر دیا ہے، اس کے دو رکن ہیں: ایک مرد ایک عورت!

اس میں کوئی شک نہیں کہ بحیثیت انسان ہونے کے مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن فرائض اور حقوق کے لحاظ سے بناوٹ اور ساخت کے لحاظ سے دونوں میں قدرت نے ایک واضح اور کھلا فرق رکھ دیا ہے۔ جو دل، دماغ اور عقل کی پختگی، ہاتھ پاؤں اور قوائے عملی کی مضبوطی مرد کو نصیب ہے وہ عورت میں فطری طور پر نہیں ہے۔ عورت کا دل، دماغ، عقل، ہاتھ پاؤں اور قوائے عمل کی اس قدر لطیف اور نزاکت کا پیکر ہیں کہ وہ اہم اور مشکل فرائض کی انجام دہی سے قاصر ہیں۔ طبعی طور پر مرد اور عورت کے خصوصیات، اصولِ زندگی اور معیار زندگی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اخلاق، عادات، رنگ ڈھنگ، بول چال، جذبات واحساسات ورجحانات ہر ایک کے الگ الگ ہیں۔ حد یہ ہے کہ دونوں کی صحت اور بیماری میں بھی قدرت نے ایک امتیازی خط قائم کر دیا ہے۔

جدید تحقیقات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ عورت کا دل گردہ اور دماغ کے وزن کی جہاں انتہا ہوتی ہے مرد کے اعضائے رئیسہ کی وہاں سے ابتدا ہوتی ہے۔ یہ تذکیر وتانیث کا سلسلہ جہاں کہیں بھی قائم ہے اس میں قدرتی فرق اور امتیاز قائم ہے۔ مذکر کی خشونت وسختی اور مؤنث کی نزاکت ولطافت نہ صرف انسان بلکہ حیوانات اور نباتات تک موجود ہے۔

مرد اور عورت انسان کی گاڑی کے دو متحرک پہیے ہیں۔ ان دونوں کا وجود انسانیت کی بقاء اور ترقی وفلاح کے لیے ضروری ہے۔ دونوں کے فرائض وحقوق اور دائرہ عمل الگ الگ ہے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا مقام ہے اور اپنا اپنا دائرہ عمل ہے۔ جس طرح گاڑی کے دو پہیے اپنی اپنی جگہ متحرک ہو کر گاڑی کو متحرک کر دیتے ہیں اسی طرح مرد وزن اپنے اپنے مقام اور دائرہ عمل میں رہ کر اپنے اپنے فرائض انجام دے کر انسانیت کی گاڑی کو ترقی اور فلاح کی طرف متحرک کر سکتے ہیں۔ اگر گاڑی کا ایک پہیہ حرکت نہ کرے، یا حرکت تو کرے لیکن اپنی جگہ چھوڑ دے تو گاڑی کی تباہی اور بربادی یقینی ہے۔

اسی طرح اگر عورت یا مرد پر جمود طاری ہو جائے یا عورت اپنے مقام اور دائرہ عمل سے تجاوز کر کے مرد کے مقام یا دائرہ عمل میں دخل اندازی کرے یا یہی طریقہ مرد اختیار کرے تو دونوں صورتوں میں انسانیت کی تباہی اور بربادی ہے۔

انسانیت کی ترقی اور فلاح تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسانیت کے یہ دونوں رکن اپنے اپنے مقام اور دائرہ عمل کو معلوم کرنے کے بعد اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں سرگرم عمل ہو جائیں ...... اور اپنے اپنے دائرہ عمل میں سرگرمِ عمل رہتے ہوئے انسانیت کی خدمت سرانجام دیں۔ نہ یہ کہ ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا کر اور کش مکش میں مبتلا ہو کر انسانیت کی گاڑی کو پاش پاش کر دیں۔

عورت پر یورپ کا ظلم وستم:

یورپ نے عورت کی آزادی کا غلغلہ بلند کر رکھا ہے اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو ایک سراب اور دھوکا کے سوا کچھ نہیں۔ کسی چیز کو اپنے مقام اپنے محل یا اپنے ماحول سے الگ کر دینا اس چیز پر سب سے بڑا

ظلم وستم ہے۔مغربی اقوام نے عورت کو آزادی کا چقمہ دے کر جس قدر عورت پر ظلم وستم کیا ہے۔اس کی مثال انسانیت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

یورپین اقوام کے مشہور مدبر اور مفکر چیخ اٹھے ہیں کہ یہ عورت کی آزادی نہیں بلکہ انسانیت کی ذلت ورسوائی، تباہی وبربادی ہے۔ناقابل تردید واقعات اور آئے دن کے مشاہدات اور تلخ تجربات نے انہیں مجبور کردیا ہے کہ وہ اس ننگ انسانیت اور نام نہاد آزادی کے خلاف آواز اٹھائیں۔مغربی تعلیم وتربیت نے عورت کو ایک کھلونا بنا کر اس میں احساس کہتری پیدا کردیا ہے۔اور اس کی خاموش اور پرسکون زندگی کو شیطانی فلسفے کے زہریلے اثر سے ایک جذباتی درندہ بنادیا ہے۔

مغربی تہذیب وتمدن اور معاشرت نے عورت میں خودغرضی اور درندگی پیدا کر کے نسل انسانی سے نفرت اور کتوں، بلوں سے محبت کرنے کے آداب سکھا کر ان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے طریقے بتا دیئے ہیں۔کتوں اور بلوں کی چھل پہل، دیکھ بھال، خورونوش اور ان کے لباس اور بستر کے ڈیزائن تیار کرنا، سیر کرانا، قدم قدم پر ان کا منہ چومنا اور اٹھا کر سینے سے دن بھر لگائے لگائے رکھنا اور رات ساتھ لے کر لیٹ جانے پر مجبور کردیا ہے۔

وہی عورت جس کی گود میں نسل انسانی کے معصوم بچے پرورش پاتے تھے آج درندوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔یورپ نے عورت کو اپنے مقام، اپنے محل اور اپنے ماحول اور دائرہ عمل میں رہتے ہوئے کچھ نہیں دیا بلکہ عورتوں کو مردوں کے دائرہ عمل میں گھسیٹ کر اور چلا کر مردوں کے حقوق سے نفع اٹھانے اور ان پر ناجائز قبضہ کرنے کے مواقع میسر کردیے ہیں۔یورپ نے عورت کو جنس تجارت قرار دے کر عورت کو تجارت کے فروغ دینے کا ذریعہ اور نالائق اور پھسڈی مردوں کی ترقی کا زینہ بنادیا ہے۔کارخانہ کی مزدور، ہسپتال کی نوک، دفتر کی چاکر، ہوٹل کی غذا، دکان کی زیبائش، فلم انڈسٹری کی مظلوم خادم، سینما ہال کی متحرک تصویر، ناچ گھروں، تھیٹروں اور کلبوں کی رونق بنا کر عورت کو ذلیل اور رسوا کردیا ہے۔یہی عورت پر ظلم وستم ہے جس نے یورپ کو تباہی کے گڑھے میں دھکیل دیا ہے اور اس ظلم عظیم سے خلاصی ایک معمہ بن کر رہ گئی ہے۔

عورت پر اسلام کا رحم وکرم:

اسلام اور قرآن عورت کو اپنے فرائض اور حقوق سے آگاہ کر کے عورت کو شمع محفل بننے کی بجائے گھر کی ملکہ اور خودمختار بناتا ہے۔اسلام نسل انسانی کے تحفظ وبقاء نشوونما اور ترقی وفلاح کے اہم ترین فرائض عورت کے سپرد کرتا ہے جس سے عورت کی عظمت اور وقار کا نشان ملتا ہے۔اسلام عورت کے ایمان کے لیے شرم وحیاء کو بہت بڑا نشان قرار دیتا ہے۔جو عورت شرم وحیا سے خالی ہو وہ اسلام کی نگاہ میں ایمان سے عاری ہے۔

اسلام عورت کو ایک نیک اور ہمدرد ماں، ایک شریف اور صالحہ بہن، ایک پاکباز اور دیانت دار، خوش اخلاق بیوی، ایک بہادر، نیک دل اور پاک نگاہ خاتون، جو شرم وحیا کے لباس اور زہد وتقویٰ کے جامہ میں ملبوس ہو دیکھنا چاہتا ہے۔اسلام عورت میں بے حیائی، بے باکی، آوارگی اور ہوس ناکی نہیں دیکھنا چاہتا اور نہ اسلام یہ پسند کرتا ہے کہ مسلمان عورت سینماؤں، ناچ گھروں، کلبوں، تھیٹروں اور تفریح گاہوں میں آوارہ جانور کی طرح دندناتی پھرے۔اور عریانی کی حالت میں میک اپ سے مزین ہو کر مردوں کے جذبات کو ابھارنے کی سر راہ مشق کرتی پھرے۔

اور نہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ مسلمان عورت ہوٹلوں کی مرغوب غذا بن کر ترقی یافتہ طوائف کا کاروبار اختیار کر کے ذلیل ترین مردوں کی ہوسناکیوں کا تختہ مشق بنے اور جو ہر عصمت کو لٹاتی پھرے۔

اسلام مسلمان عورت کو ضروری تعلیم، جائز تجارت، گھریلو صنعت اور ترقی وفلاح کے جائز اور اسلامی منازل کو طے کرنے سے نہیں روکتا۔ اسلام عورت کو مال جائداد اور وراثت کا حق دار ٹھہراتا ہے۔عورت کے فرائض کو متعین کر کے اعلیٰ قسم کے حقوق نہ صرف دلاتا ہے بلکہ اس کی کڑی نگہداشت کرتا ہے تاکہ زندگی کے کسی مرحلہ پر بھی عورت کی عزت وآبرو کو زائل نہیں ہونے دیتا۔وہ عورت کی عزت وآبرو کو تجارتی کاروبار سے

نہ صرف بچاتا ہے بلکہ اس قماش کے ذلیل پیشہ انسانوں کوسنگین سزا دے کرعبرت وموعظت کا پیغام دیتا ہے۔ اسلام نے عورت کی عظمت کوجس قدر بلند کیا ہے، اس کی مثال دنیا کے کسی قانون وآ ئین میں نہیں ملتی۔ اور جتنے اعلیٰ وارفع حقوق اسلام نے عورت کوعطا کیے ہیں ان کا عشرعشیر بھی دوسری جگہ نہیں ملتا۔

چند بیگمات:

دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت (پاکستان) جس کی بنیاد اوراساس کلمہ طیبہ (لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ) کے بابرکت نعروں پر قائم کی گئی ہے۔ جواپنا دستوراساسی اسلامی دستور تسلیم کر چکی ہے۔ اس میں چند بیگمات اوران کے لواحقین ایسے موجود ہیں جومسلمان عورت کو بے حیائی، بے حجابی، بے باکی اورآوارگی کی راہ پر چلانے کی منظم کوشش کررہے ہیں۔ اور جابجا مجلسیں قائم کرکے تقریروتحریر، روزانہ اخبارات، ماہانہ رسائل اورلٹریچر کے ذریعے اس گندگی کو بری طرح اچھالا جارہا ہے۔ قارون کا خزانہ اورفرعون کا دماغ اس شیطنت کی پشت پناہی کررہا ہے۔ یہ تعلیم یافتہ نوجوان لڑکیوں کو بے پردہ کرکے ٹھیک ٹھیک اسی لائن پر چلانا چاہتے ہیں جس پر یورپ اورامریکہ کی عورتیں چل رہی ہیں۔ ان کی منزلِ مقصود پیرس کی بے حیائی اور بے شرمی، لندن کی بداخلاقی اور بدکرداری، واشنگٹن کی شراب نوشی اور بدحواسی، ماسکو کی بے غیرتی اورجنسی انارکی ہے۔

ان کے سامنے فلسفہ حیات وہ ہے جو یورپ کے ملحد دہریوں اور بے دین فلسفیوں نے تجویز کیا ہے۔ ان کا دل ودماغ اورعمل خدااوراس کے رسول کی بغاوت پرآمادہ ہو چکا ہے۔ ان کا جسم تو پاکستان کی اسلامی سلطنت میں گھومتا پھرتا ہے لیکن ان کا دل لندن اورواشنگٹن میں لٹکا ہوا ہے۔ ان کا محبوب ترین مشغلہ خدااوراس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی اوراستخفاف ہے۔

رسمی پردہ:

ان کی جدوجہد کا آغاز اسلامی پردے کے خلاف آواز بلند کرنے سے ہوتا ہے۔ یہ مسلمان عورت کے معصوم چہرہ سے جب پردہ اتار کر پھینک دیتی ہیں تو پھر بے حیائی کی راہ کھل جاتی ہے۔ وہ اسلامی حصار (پردہ) جوعورت کو ہزار گناہ سے بچانے کا ضامن تھا جب یہ توڑنے میں کامیاب ہوجاتی ہیں تو پھر شرم وحیااوراخلاق وکردار کا جوہر خاک میں مل کررہ جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عموماً شہروں اورقصبوں میں ایک رسمی پردہ فروغ پارہا ہے جوریشمی اورشوخ رنگ کے بھڑکیلے کپڑے سے چست برقعہ تیار کیا جاتا ہے۔ جوعورت کے خدوخال، قد وقامت اور چال ڈھال کونمایاں کرکے مردوں کے جذبات کوانگیخت کرسکے۔ اسلام اس قسم کے مصنوعی اور غیرشرعی برقعہ کو پسند نہیں کرتا۔ یہ سیاہ برقعہ جس نے شہری عورتوں کوعموماً سیاہ دل، سیاہ سینہ، سیاہ اخلاق اور بدکردار بنادیا ہے، قطعی طور پراسلامی پردے کا حامل نہیں ہے۔

اسلامی پردہ:

اسلام تو حقیقی پردے کا حکم دیتا ہے اوراس پردہ کو پسند کرتا ہے جو شرم وحیاء کی بقاء ہو جوعورت کی زینت کو چھپا سکے اورعورت کے جسم کی پوری پوری حفاظت کرسکے۔ اس کے لیے دوپٹہ کے علاوہ ایک بڑی چادر کافی ہے۔ اوراگرسیدھا سادھا برقعہ ہوتو بہتر اورمفید ہے تاکہ دیکھنے والی نگاہ محسوس کرے کہ ایک باپردہ شریف خاتون اورایک مجسمہ شرم وحیاء محوِ حرکت ہے۔ جیسا کہ عموماً دیہات اورشہروں میں قلت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ برقعہ کی موجودہ شکلیں اوراس کی قطع وبرید اورلمبی چوڑی فہرست یہ ذہین درزیوں کا دماغی اختراع ہے اسلام کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

تہذیب جدید:

تہذیب جدیداوراس کے لوازمات وہ عورتیں تو اپنا سکتی ہیں جن کو دولت اورسرمایہ ناجائز وسائل سے میسرآ گیا ہے اورانہوں نے معیارِ زندگی اونچا بنا رکھا ہے۔ جن کو دن بھر بناؤسنگھار، لوازماتِ حسن کی خرید وفروخت نمائش حسن کے لیے چہل پہل کے سوا کوئی کام نہیں ہے۔ اس قماش کی عورتیں مذہب وملت اورقوم کے لیے ایک بہت بڑا بوجھ اورجسد ملت کے لیے مارِآستیں ہیں۔ لیکن وہ عورتیں جن کے دل میں خوفِ خدا ہے جودل وجان سے اسلام اورایمان کوقبول کر چکی ہیں۔ جن کوآخرت

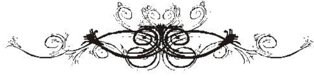
کی جواب دہی کا خیال اور اپنے فرائض وحقوق کا علم ہے وہ اس گمراہی کے راستہ پر چلنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور نہ وہ اس گندی تہذیب کو اپنا سکتی ہیں۔ وہ نیک بخت اور شریف عورتیں جو تربیت اطفال کو انسانیت کی سب سے بڑی خدمت اور دین ومذہب اور قوم کی گراں مایہ امانت کو سنبھالنے کے لیے سربکف ہیں۔ اور وہ غریب ومسکین عورتیں جن کے جگر کے ٹکڑے اور نونہال معصوم بچے سارا سال بھوک کا مقابلہ کرتے رہتے ہیں۔ جن کو حسب موسم کپڑا میسر نہیں۔ جن کے رہنے سہنے کے لیے مکان نہیں۔ جن کی تعلیم کا نام ونشان تک نہیں۔ جن کو طبی امداد زندگی بھر نصیب نہیں۔ جن کے بچے ہمیشہ موت کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ جن کے دل ودماغ پر اقتصادی اور معاشی مشکلات کا ایک غیر منتہی اثر ہے۔ وہ تہذیب جدید کو کیسے اپنا سکتی ہے اور اس کے لوازمات کو کس حالت میں پورا کرسکتی ہیں۔

جن عورتوں کے دل ودماغ پر نئی تہذیب کی چمک دمک اور مغربی تعلیم وتربیت کا زہریلا اثر ہے وہ نمائش حسن اور لوازمات حسن پر کم وبیش سالانہ دس کروڑ (اور اب اربوں) روپیہ خرچ کرتی ہیں اور اپنے ملک کا اتنا کثیر سرمایہ غیر ممالک کو روانہ کرنے سے دریغ نہیں کرتی ہیں جو اقتصادی اور معاشی لحاظ سے نہایت ہی مہلک اور تباہ کن ہے۔ اگر یہ کثیر سرمایہ ملک وطن اور قوم کے تعمیری کام، پاکستان کے استحکام دفاع، دینی تعلیم، صنعت اور دیگر رفاہی کام جواب تک تشنہ تکمیل ہیں خرچ کیا جاتا تو دین اور قوم کے تعمیری کاموں میں کتنا اضافہ ہوتا۔ لیکن نئی تہذیب کے جنون اور بڑی خواہشات کی تکمیل نے تعمیری کاموں کی بجائے ان کو تخریبی کارروائیوں کی طرف مائل کردیا ہے۔ ان خوشحال بیگمات کے خیالات وافکار اور کردار نے متوسط درجہ کی پڑھی لکھی عورتوں کے دل ودماغ پر ایک خطرناک زہریلا اثر ڈالا ہے جن کی وجہ سے ان کی معاشی، اخلاقی اور خانگی زندگی برباد ہوچکی ہے اور آئندہ چل کر جو نتائج ظاہر ہوں گے وہ نہایت ہی مہیب اور خطرناک ہیں۔ اور اس زہر کے اثر نے ملت وقوم کے نہ صرف خاندانوں کو ہی برباد کیا بلکہ پوری کی پوری قوم کی اجتماعی زندگی کو متزلزل کردیا ہے۔

مسلم خاتون:

اس لیے مسلم خاتون کو واقعات اور مشاہدات کی روشنی میں ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس کی زندگی کا رخ کس جانب ہے۔ وہ دین ومذہب اور قوم وملک اور انسانیت کی ترقی وفلاح کی جانب اٹھا رہی ہے یا تباہی وبربادی کی جانب؟

ان گزارشات سے یہ امر تو واضح ہوگیا کہ جس طرح ایک پتھر سونا نہیں بن سکتا، ایک پانی کا چشمہ پٹرول نہیں اُگل سکتا۔ ایک بکری شیر نہیں بن سکتی۔ ایک کبوتر باز نہیں بن سکتا۔ ایک مچھلی مگرمچھ نہیں بن سکتی۔ اسی طرح ایک معصوم اور پاک باز عورت کی شرم وحیاء چھین کر اور اس کا اسلامی پردہ اتار کر اس کو مرد نہیں بنایا جاسکتا۔ عورت بہرحال عورت ہے اور مرد بہرحال مرد ہے۔ دونوں کا دائرۂ عمل الگ الگ ہے۔ دونوں کے فرائض منصبی اور حقوق مختلف ہیں۔ اس لیے مرد وعورت کو انسانیت کی ترقی وفلاح اور دین ومذہب کی خدمت کرتے ہوئے اپنے اپنے دائرہ عمل میں رہ کر اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوشاں رہنا چاہیے۔



دعائے مغفرت

پروفیسر عبدالجبار شاکر (مرحوم) کے بہنوئی اور مولانا محی الدین بھٹی (حسین خان والا نمبر ۸) کے بڑے بھائی سعید احمد خان ۱۶/اپریل بروز جمعۃ المبارک حرکت قلب بند ہوجانے سے انتقال فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم کی عمر ۶۱ برس تھی۔ نیک سیرت اور ملنسار تھے۔ مرحوم کے چار بیٹے، تین بیٹیاں اور ایک بیوہ ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ان کی نماز جنازہ منصورہ لاہور میں پڑھائی گئی۔ احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

حاجی محی الدین بھٹی ایم اے اسلامیات

حسین خانوالہ چک نمبر 8 پتوکی، قصور

تحقیق وتنقید

حضرت خضر علیہ السلام

عبدالحسیب بن مولانا سلیم اللہ عزیز اعوان (متعلّم جامعہ سلفیہ، فیصل آباد)

حضرت خضر علیہ السلام (خ کے فتحہ کے ساتھ، ض کے کسرہ کے ساتھ) صحیح تلفظ ہے۔

خضر علیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے صالح اور نیک بندے تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وعلمنٰہ من لدنا علما ...... ﴾

''اور ہم نے اس کو اپنی طرف سے علم عطا کیا۔''

مفسرین ومحدثین کی آراء کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

نام: حضرت خضر علیہ السلام کے نام ونسب میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ امہات الکتب مثلاً فتح الباری، تفسیر ابن کثیر، تفسیر اضواء البیان میں اس کا ذکر موجود ہے۔ انہی کتب کی روشنی میں حضرت خضر علیہ السلام کا نام بلیا، الیاس، الیسع، عامر، خضرون، اُرمیا ذکر کیے گئے ہیں۔ بعض نے ''خضر'' بھی نام قرار دیا ہے۔

والد کا نام بھی مختلف فیہ ہے۔ والد کے ناموں میں کلیان، عامیل، قابل، عابیل، ملکان وغیرہ ذکر کیے گئے ہیں۔

کنیت: ابوالعباس۔ یہ امام وہب کا قول ہے۔ [فتح الباری: ۳۴۰۲]

لقب: خضر لقب تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح بخاری میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک بار وہ سفید خشک گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جب اٹھے تو گھاس سرسبز اور لہلہا رہی تھی۔

[البخاری، کتاب الانبیاء: ۳٤۰۲]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر میں مذکور ہے کہ جب آپ اور آپ کے رفیق سفر یوشع بن نون اپنے قدموں کے نشان پر واپس گئے تو حضرت خضر علیہ السلام کو ایک مقام مجمع البحرین کے نزدیک سبز چادر پر لیٹے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے جو کپڑا اوڑھ رکھا تھا اس کے کنارے سر اور پاؤں کے نیچے دبائے ہوئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے سلام کہا۔ خضر علیہ السلام نے جواب دیا اور کہا: ''اس علاقے میں سلام کہاں؟ آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں موسیٰ ہوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے پوچھا بنی اسرائیل کے نبی؟ فرمایا: ہاں۔'' [فتح الباری: ۳۴۰۰]

مسکن:

قرآنِ مجید میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے مابین ملاقات کا مقام ''مجمع البحرین'' تھا۔ ان کا مسکن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحقیق کے مطابق اور انہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:

''غالبًا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سفر سوڈان کی جانب تھا۔ اور مجمع البحرین سے مراد وہ مقام ہے جہاں موجودہ شہر خرطوم کے قریب دریائے نیل کی دو بڑی شاخیں البحر الابیض اور البحر الازرق آ کر ملتی ہیں۔'' [تفہیم القرآن، تفسیر سورہ کہف]

اسی طرح کی تفصیلات مولانا عبدالرحمٰن کیلانی نے بھی اپنی تفسیر میں ذکر کی ہیں۔ [تیسیر القرآن، ج:۲، ص:٦٤٦]

شخصیت:

حضرت خضر علیہ السلام کے نام کی طرح ان کی شخصیت اور حیات کے متعلق بھی بہت اختلاف ہے۔ بعض نے ان کو فرشتہ، بعض نے نبی/رسول اور بعض نے ایک نیک اور برگزیدہ بندہ کہا ہے۔ ہر فریق کے پاس دلائل ہیں۔ ان کو ذکر کر کے ہم فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں۔ ☆

☆......اس موضوع پر کوئی اور صاحب علم اظہار خیال کرنا چاہیں تو ''الاعتصام'' کے صفحات حاضر ہیں۔

خضر فرشتہ تھے:

امام سہیلی نے ایک جماعت سے یہ بات نقل کی ہے کہ وہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ تھا۔ اولادِ آدم میں سے نہیں تھا۔

[فتح الباری، ج:٦، ص:٣٤٠٢]

معاصر مفسرین میں سے مولانا عبدالرحمٰن کیلانی ؒ نے بھی اپنی تفسیر ''تیسیر القرآن'' میں اسی موقف کو حق اور صواب قرار دیا ہے۔ ان کا کلام ملاحظہ ہو۔

''ہمارے خیال میں سیدنا خضر علیہ السلام نبی نہیں تھے۔ اور اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ بخاری کی طویل روایت کے مطابق سیدنا خضر، سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے خود فرما رہے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اپنے علوم میں سے ایک علم مجھے سکھایا ہے۔ جسے آپ نہیں جانتے اور ایک علم آپ کو سکھایا گیا ہے جسے میں نہیں جانتا۔

لہٰذا تم میرے ساتھ صبر نہ کرسکو گے اور یہ تو ظاہر ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو نبوت اور شریعت کا علم سکھایا گیا تھا جسے سیدنا خضر نہیں جانتے تھے۔ لہٰذا وہ نبی نہیں تھے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآنی آیات کی رو سے یہ ثابت شدہ امر ہے کہ انبیاء کا علم ابتداء سے ایک ہی رہا ہے، اور چوں کہ سیدنا خضر کا علم اس علم سے متصادم تھا۔ لہٰذا وہ نبی نہیں تھے۔''

سلسلہ کلام کو مزید جاری رکھتے ہوئے کیلانی صاحب لکھتے ہیں:

''اب لامحالہ ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ ان فرشتوں میں سے تھے جو تدبیر امور کائنات پر مامور ہیں۔ اور اس پر کئی دلائل ہیں۔''

[تیسیر القرآن، ج:٢، ص:٦٥٢]

دوسرا موقف...... خضر نبی تھے:

علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں امام قرطبی کا ایک قول یوں ذکر کیا ہے:

" هو نبی عند الجمهور ـ"

[فتح الباری، ج:٦، ص:٥٧٢ طبع دارالسلام]

''جمہور کے نزدیک وہ نبی ہیں۔''

والآية تشهد بذلك، لأن النبی لا يتعلم ممن هو دونه ـ

علامہ شنقیطی ؒ نے اپنی تفسیر ''أضواء البيان فی إيضاح القرآن بالقرآن'' میں دلائل دینے کے بعد پورے وثوق سے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ وہ نبی تھے۔

علامہ شنقیطی اور بعض دوسرے علماء جو اس موقف کے قائل ہیں۔ ان کے دلائل مختصراً درج ذیل ہیں:

①...... قرآن نے ان کی بابت فرمایا ہے:

﴿ اتينٰه رحمة من عندنا ﴾

''ہم نے ان کو اپنی طرف سے رحمت سے نوازا تھا۔''

اور قرآن میں ہی کئی مقامات پر ''نبوت'' کو ''رحمت'' کہا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ زخرف میں ہے:

﴿ وقالوا لولا نزل هذا القرآن علی رجل من القريتين عظيم o أهم يقسمون رحمة ربك ...... ﴾

دوسرا مقام سورۃ الدخان میں ہے:

﴿ فيها يفرق كل امر حكيم o امرا من عند إنا كنا مرسلين o رحمة من ربك ﴾

تیسرا مقام سورۃ قصص کے آخر میں ہے:

﴿ وما كنت ترجوا أن يلقٰی اليك الكتب إلا رحمة من ربك ﴾

مفسرین نے تینوں مقامات پر ''رحمت'' کا معنی ''نبوت'' بھی کیا ہے۔

②...... دوسری دلیل حضرت خضر علیہ السلام کا یہ کہنا

﴿ وما فلعته عن أمری ﴾

''یہ کام میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیے۔''

بلکہ اللہ کے حکم سے کیا ہے۔ لڑکے کو قتل کردینا، کشتی کا تختہ توڑ دینا اور پھر ان کی حکمت بھی بیان کرنا، آپ کی نبوت کی ایک دلیل ہے۔ کیوں کہ ولی دل میں ڈالے ہوئے خیال اور الہام کی بنیاد پر کسی کو قتل نہیں کرسکتا۔

علامہ شنقیطی ؒ فرماتے ہیں کہ جس کو بھی دین کے احکامات کی

معرفت حاصل ہے وہ سمجھتا ہے کہ اللہ کا قرب کسی کام کو کرتے ہوئے یا چھوڑتے ہوئے تلاش کرنا یہ صرف وحی کے علم کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔ فقط الہام اور کشف دلیل نہیں ہوتے۔[اضواء البیان، ج:۴، ص:۱۵۹]

امام ابن جوزی نے اسی دلیل کی بنیاد پر آپ کو نبی تسلیم کیا ہے۔

③......حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ان سے کہا:

﴿ هل أتبعك على ان تعلّمن ممّا علمت رشدا ﴾

''جو آپ کو اللہ کی طرف سے علم عطا ہوا ہے اگر آپ اس سے مجھے کچھ بھلائی کی باتیں سکھائیں تو میں آپ کی ساتھ رہوں۔''

اگر حضرت خضر ولی یا صرف صالح بندے ہوتے، نبی نہ ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے اس انداز سے بات نہ کرتے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم رسول اور نبی جو بلاشبہ معصوم عن الخطاء تھے وہ ایک غیر معصوم ولی کے علم کے اس قدر مشتاق نہ ہوتے اور ان سے ملاقات اور ان کے علم سے استفادہ کے لیے انہیں تلاش کرنے کی مشقت برداشت نہ کرتے۔

اس آیت میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ نبی کا اپنے سے کم مرتبہ سے علم حاصل کرنا اس کے شایانِ شان نہیں۔ اور باطنی امور جن پر خضر علیہ السلام کو مطلع کیا گیا تھا ایسے علوم پر انبیاء کے علاوہ کوئی اور مطلع نہیں ہوسکتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرف نبی تھے۔ صرف بات یہ ہے کہ انہیں بعض ایسے (لدنی) علم اور اسرار سے نوازا گیا تھا جن پر کلیم اللہ مطلع نہیں تھے۔ رومانی نے حضرت خضر علیہ السلام کے نبی ہونے کی یہی دلیل ذکر کی ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں؟

①......حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام نے آبِ حیات پیا تھا اور ان کی زندگی دائمی ہے۔

خضر علیہ السلام کی زندگی کے متعلق مختلف قصے ذکر کیے جاتے ہیں۔ جس طرح یہ مشہور ہے کہ آدم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ طوفانِ نوح کے بعد جو شخص ان کی میت کو دفن کرے گا اس کی عمر طویل ہو۔ یہ دعا خضر علیہ السلام کے حق میں قبول ہوئی۔

امام دارقطنی نے مذکورہ حدیث کے تحت کہا ہے کہ خضر علیہ السلام کی عمر طویل کردی گئی ہے۔ یہاں تک کہ وہ دجال کی تکذیب کریں گے۔

امام عبدالرزاق نے معمر سے یہ نقل کیا ہے کہ دجال جس شخص کو قتل کر کے دوبارہ زندہ کرے گا وہ خضر ہے۔

[فتح الباری، ج:۶، ص:۵۲۷ طبع دارالسلام]

امام ابن الصلاح رحمہ اللہ بھی اس نظریے کے قائل ہیں اس لیے وہ لکھتے ہیں:

هو حيّ عند جمهور العلماء۔

کہ جمہور علماء کے نزدیک وہ زندہ ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ صوفیاء اور اہل صلاح وخیر کے ہاں یہ بات متفق علیہ ہے۔

[فتح الباری، ج:۶، ص:۵۲۸]

②......دوسرا قول یہ ہے کہ خضر اپنی طبعی زندگی پوری کر کے فوت ہو چکے ہیں۔ امام بخاری، ابراہیم الحربی، ابوالحسن بن المناوی، ابوجعفر، ابن العربی وغیرہ محدثین اسی موقف کے حامل ہیں۔ علامہ ابن جوزی، امام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور حافظ ابن کثیر رحمہم اللہ بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب ''عجالة المنتظر'' میں اپنے حق میں بہت سے دلائل پیش کیے ہیں جن میں سے چند ذکر کیے جاتے ہیں:

①......ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد ﴾ [الأنبياء]

''آپ سے پہلے ہم نے کسی کو بھی ہمیشگی نہیں دی۔''

اگر حضرت خضر بشر ہیں تو لازماً وہ اس آیت کے عموم میں شامل ہیں اور استثناء کے لیے صحیح دلیل کی ضرورت ہے جو کہ موجود نہیں۔

②......ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ واذ اخذ الله ميثاق النبيين ...... قالوا اقررنا قال فاشهدوا وانا معكم من الشاهدين ﴾ [آلِ عمران:۸۱]

اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو نبی علیہ السلام کے اعلانِ نبوت کے بعد وہ آپ کے امتی کی حیثیت سے آپ کی شریعت پر عمل پیرا بھی ہوتے اور آپ کی نصرت وحمایت بھی کرتے کبھی غزوات سے پیچھے نہ

رہتے۔ بلکہ انہیں اپنے لیے بلند ترین مقام سمجھتے۔لیکن کسی بھی صحیح روایت میں اس بات کی صراحت نہیں ملتی کہ حضرت خضر نبی علیہ السلام کے دورِ مبارک میں بھی آپ کے پاس آئے تھے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ زندہ نہیں ہیں۔

③......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب کہ آپ کی حیات کے آخری ایام تھے۔

" لا يبقٰى على وجه الأرض بعد مائة سنة ممن هو عليها اليوم احد ـ"

''آج کے دن جو اس زمین پر زندہ ہے ان میں سے کوئی بھی ایک سو سال بعد زندہ نہیں رہے گا۔''

بالفرض اگر مان لیا جائے کہ حضرت خضر نبی علیہ السلام کے دورِ مبارک میں زندہ تھے تو اس حدیث کے تحت سو سال بعد ان کی وفات یقینی ہے۔

اسی لیے ساری بحث کے آخر میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنا فیصلہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَلَـمْ يَـقَـعْ لِيْ اِلَى الآنِ خَبَرٌ وَلَا أَثَرٌ بِسَنَدٍ جَيِّدٍ غَيْرُهٗ وَهٰـذَا لَا يُعَارِض الْحَدِيْثَ الأَوّلَ فِي مائة سنة فإن ذلك قبل المائة ـ

''مجھے ابھی تک کوئی خبر اور نہ ہی کوئی اثر جید سند کے ساتھ اس واقعہ کے علاوہ ملا ہے اور اگر یہ ایسا ہے بھی کہ خضر زندہ ہیں تو یہ اس حدیث کے معارض نہیں جو مائۃ سنۃ والی ہے کیوں کہ عمر بن عبدالعزیز کا دور سو سال سے قبل کا ہے۔''

[فتح الباری، ج:٦، حدیث:٣٤٠٢، طبع دارالسلام]

علمائے امت فرماتے ہیں کہ ظن غالب یہی ہے بلکہ دلائل کی روشنی میں یہ بات یقینی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے نبی علیہ السلام کا زمانہ نہیں پایا۔اگر بالفرض پایا بھی ہے تو آج وہ زندہ نہیں ہیں۔

علامہ شنقیطی بھی اپنے قول فیصل میں یوں رقم طراز ہیں:

" فتحصل ان الأحاديث المرفوعة التي تدل على وجود الخضر حياً باقيا لم يثبت منها شيء ـ"

[اضواء البيان: ١٧١/٤]

حاصل یہ ہے کہ مرفوع احادیث جو خضر کے وجود اور اس کی زندگی پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے کوئی بھی ثابت نہیں۔

خلاصۂ کلام:

①......حضرت خضر کی ملاقات کے لیے حضرت موسیٰ، جو بنی اسرائیل کے نبی تھے، گئے تھے۔جنہوں نے کہا ہے کہ یہ وہ موسیٰ نہیں جو صاحب تورات ہیں ان کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔

②......حضرت خضر علیہ السلام اپنی طبعی زندگی پوری کر کے فوت ہو گئے اور وہ آج زندہ نہیں ہیں۔

③......خضر علیہ السلام نبی تھے، فرشتہ یا صرف ولی نہیں تھے۔

واللّٰه اعلم بالصواب وعلمة اتمّ ـ

افکارِ معاصرین

دین کا صحیح تصور آپ کی اہم ضرورت

مولانا محمد یوسف اصلاحی

دینداری کا جذبہ، دینی اعمال کا شوق اور دینی ترقی کی فکر وتڑپ بلاشبہ وہ جوہر ہیں جن سے مومن کی زندگی میں زبردست رعنائی پیدا ہوتی ہے۔ بے اختیار دل کھنچتے ہیں......اور پوری زندگی سکون، اطمینان، نشاط اور رحمت و برکت کا مظہر ہوتی ہے۔ یہ پرسکون بابرکت اور پاکیزہ زندگی نہ صرف اپنے لیے بلکہ پورے ماحول کے لیے رحمت ہوتی ہے......لیکن بہت سے لوگ سماج میں دیندار کہے جاتے ہیں۔ وہ خود بھی اپنے آپ کو دیندار سمجھتے ہیں اور وہ اپنی دینداری پر مطمئن ہی نہیں بلکہ فخر کرتے ہیں۔ سماج بھی انہیں دیندار ہی کہتا اور سمجھتا ہے لیکن ان کی دینداری سے لوگ مطمئن نہیں ہوتے۔ ذہن الجھتے ہیں۔

دراصل دینداری کی خیر و برکت اور فیض و رحمت کے وہ اثرات ان کی زندگیوں میں نہیں پائے جاتے جو دینداری کے لازمی ثمرات ہیں۔ ان کی دینداری کے بارے میں خوش گمانی نہیں پیدا ہو پاتی۔ نہ ان کی زندگیوں میں کوئی کشش اور رعنائی نظر آتی ہے نہ وہ خود اپنی زندگی میں کوئی سکون و نشاط محسوس کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو ان کی زندگی میں کوئی رحمت و برکت نظر آتی ہے۔ ذہن میں ایک خاموش سوال ابھرتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے؟

وجہ دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ دین کے صحیح تصور سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ حقیقی دینداری سے ناواقف ہوتے ہیں اور چند اعمال یا چند دینی مظاہر کو وہ اصل دین سمجھتے ہیں یا پھر زیادہ سے زیادہ ان چند چیزوں پر ان کے فکر و عمل کی پوری قوت صرف ہوتی ہے جو ان کی نظر میں دین کا حاصل اور اعلیٰ دینداری کا مظہر ہوتے ہیں۔ حالاں کہ اس میں دین کے مزاج، دین کی فکر اور دین کی رہنمائی اور فیصلہ کو بہت کم دخل ہوتا ہے۔ وہ خالص ان کے اپنے ذہن کا مزعومہ اور اپنی فکر کا خود ساختہ دینی عمل ہوتا ہے اور قلوب میں اس کے لیے کوئی کشش، کوئی قدر و قیمت اور کوئی عظمت و منزلت نہیں ابھرتی۔ بلکہ بعض اوقات وہ عمل دینداری سے بیزاری کا سبب بنتا ہے اور دین کے بارے میں ناگواری کا تصور پیدا ہونے لگتا ہے۔ حالاں کہ اس بیزاری اور ناگواری کا حقیقی سبب دین ہرگز نہیں ہوتا بلکہ دین کا مظاہرہ کرنے والے دینداروں کا وہ غلط عمل ہوتا ہے جس کو انہوں نے اپنے زعم میں دینداری کا کارنامہ سمجھ کر اختیار کر رکھا ہے اور اس طرح وہ دین کے دروازے پر بیٹھ کر، دین کے نمائندے بن کر اور دینداری کا مظاہرہ کر کے دین سے دور کرنے اور دین کی راہ روکنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اس میں ان کے کسی برے ارادہ کو دخل نہیں ہوتا لیکن ان کی سادہ لوحی بلکہ فہم دین سے محرومی کو ضرور دخل ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں علم کی کمی بھی ایک سبب ہو۔ لیکن حقیقی سبب دین کے فہم، دین کی بصیرت، دین کے مزاج اور دین کے صحیح اور کامل تصور اور دین کی روح اور منشاء کو نہ سمجھنے کی نادانی ہوتی ہے۔ دین میں اصل چیز معتقدات ہیں۔ پھر فرائض و ارکان ہیں اور اس کے بعد مستحبات و مندوبات ہیں۔ کچھ چیزیں مقدم ہیں اور کچھ چیزیں ان کے بعد۔ کچھ چیزیں بہت ضروری ہیں اور کچھ پسندیدہ اور مباح ہیں اور دینداری یہی ہے کہ اس ترتیب کو کبھی بھی نہ فکری طور پر نظر انداز کیا جائے اور نہ عملی طور پر۔

بعض اوقات لوگ فرائض و واجبات سے صرفِ نظر کر لیتے ہیں اور کبائر و منکرات سے اجتناب کی اہمیت محسوس نہیں کرتے۔ مگر کسی ایک پسندیدہ اور مندوب عمل یا دین کے کسی ایک حکم کو اپنے تصور کے مطابق اتنی اہمیت دے دیتے ہیں کہ وہی ان کے نزدیک دینداری اور بے دینی کا معیار بن جاتا ہے۔ ایسے لوگ خود کو بھی مطمئن کرنا اور رکھنا چاہتے ہیں کہ وہ دیندار ہیں اور دین کے تقاضے پورے کر رہے ہیں اور دوسروں پر بھی یہ اثر ڈالنا چاہتے ہیں کہ سبحان اللہ فلاں صاحب نے تو دین کا حق ادا

کر دیا۔

ایک شخص نے معصوم بچی کو روزہ رکھوایا۔ سخت گرمی کا موسم ہے۔ لو چل رہی ہے۔ گرمی کی شدت سے گودا پگھل رہا ہے۔ دماغ کھول رہا ہے۔ بچی پیاس سے نڈھال ہے۔ حلق خشک ہو رہا ہے۔ بچی کی جان پر بنی ہوئی ہے مگر وہ اپنی دینداری کے زعم میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم بچی کو دین پر قربان کر رہے ہیں۔ بچی کی جان چلی جائے لیکن روزہ نہیں کھلوائیں گے اور اگر اس حالت میں جان چلی گئی تو ان کے زعم میں یہ راہِ حق میں شہادت ہوگی۔

سوچئے! کیا یہ دین کا مزاج اور دین کا تقاضا ہوسکتا ہے۔ اپنی نادانی کو دینداری سمجھنا اور سمجھانا زبردست خود فریبی اور گمراہی ہے۔ نابالغ بچی پر تو روزہ فرض نہیں ہے، اس لیے کہ وہ تو معصوم بچی ہے۔ اگر بالغ آدمی کی بھی جان کا خطرہ ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ روزہ کھول لے اور اپنی جان نہ کھوئے۔

فرض کیجیے کسی بستی میں آگ لگ گئی، مکان جل رہے ہیں، شعلے بھڑک رہے ہیں، بچوں اور عورتوں کی چیخیں نکل رہی ہیں، قیامت کا منظر ہے اور آپ نفل نماز نہیں بلکہ فرض نماز پڑھ رہے ہیں تو دین یہ نہیں ہے کہ آپ اپنی نماز پوری کرنے میں لگے رہیں اور بے گناہ بچوں اور عورتوں کو یونہی جلنے دیں، بلکہ دین یہ ہے کہ آپ فوراً ہی نیت توڑ دیں اور مقامِ حادثہ پر پہنچ کر ان آفت رسیدہ عورتوں اور بچوں کو آگ سے بچائیں۔ اگر کوئی شخص اس کے برخلاف بستی اور آگ سے صرفِ نظر کر کے نماز پڑھتے رہنے ہی کو اعلیٰ دینداری قرار دیتا ہے تو وہ فکری گمراہی میں مبتلا ہے۔

پردہ کا حکم قرآن نے دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے قول و عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لیکن اگر پردے کے اہتمام کی شکل یہ ہے کہ اگر ایک بچے کا سر پھٹ گیا ہے، خون برابر بہہ رہا ہے اور خدانخواستہ بچہ کی جان جا سکتی ہے لیکن گھر میں کوئی مرد نہیں ہے، خواتین ہی خواتین ہیں اور خواتین کو یہ حکم ہے کہ کسی مرد سے بات نہیں کر سکتیں، بازار نہیں جا سکتیں، مرد ڈاکٹر سے مریض کا معائنہ نہیں کرا سکتیں جب کہ بچہ سسک رہا ہے۔ خون کافی بہہ چکا ہے اور کچھ دیر اگر ڈاکٹر کی امداد نہ ملی تو جان پر بن سکتی ہے۔ لیکن گھر میں پردہ نشین خواتین ہی خواتین ہیں، کون لے جائے۔ کوئی پڑوسی بھی کیسے دخل دے۔ اس لیے کہ پڑوس سے بھی کوئی جائے گا تو وہ مرد ہی ہوگا، غیر مرد گھر میں کیسے داخل ہو۔ اس عمل کا جو بھیانک نتیجہ ہوسکتا ہے، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

پردہ کا یہ تصور اور مفہوم جسے دینداری کا اعلیٰ مظہر سمجھتے ہوئے اختیار کیا گیا ہے، یہ وہ پردہ نہیں ہے جس کا اسلام نے حکم دیا ہے اور جو اسلام کو مطلوب ہے۔ اسلام اس درجہ بے بسی اور مفلوج ہو جانے کی تعلیم نہیں دیتا۔ وہ سماج میں عورتوں کا بھی مؤثر رول دیکھنا چاہتا ہے اور حالات کے لحاظ سے غضِ بصر، پردہ اور تحفظ کا حکم دیتا ہے۔ مگر ایسا ہرگز نہیں کہ عورتیں مرد سے بات بھی نہ کر سکیں۔ کسی مرد ڈاکٹر کو اپنے مریض کا حال بھی نہ بتا سکیں۔ مریض پر جان کنی کی کیفیت ہو اور وہ اسے ڈاکٹر کے پاس نہ لا لے جا سکیں، یہ اسلام کے پردے کا غلط مفہوم لیا گیا ہے۔ وہ خود ساختہ مفہوم ہے۔ یہ دینداری اسلام کی مطلوبہ دینداری نہیں ہے بلکہ اپنی مزعومہ دینداری ہے۔ اس سے اپنی ذات اور اپنے متعلقین کو جو نقصان پہنچ سکتا ہے وہ تو اپنی جگہ ہے، خود اسلام کی بھی غلط نمائندگی اور غلط ترجمانی جو اس عمل کے ذریعے ہو رہی ہے، اس کا تدارک کیا ہے۔ آپ کے اس طرزِ عمل کو دیکھ کر آدمی اسلام کے بارے میں بدگمانی قائم کر سکتا ہے اور آپ کے اس عمل سے اسلام کے بارے میں جو غلط تصور پیدا ہوگا اس کی پوری ذمہ داری آپ کی ذات پر عائد ہوگی اور یقیناً ایسے لوگ اپنے غلط طرزِ عمل سے اسلام کے بارے میں غلط تصور دینے کے مجرم قرار پائیں گے۔

دین کا صحیح تصور ہر مسلمان کی بنیادی ضرورت اور اہم ترین فریضہ ہے اور اسی پر دار و مدار ہے۔ آپ کی پوری زندگی کی گردش اور فکر و روش کی صحت کا، خدا کے یہاں مقبولیت کا۔ ورنہ اپنے زعم میں انسان کیا کچھ کرتا رہے گا، وہ دین کے خلاف چلتا رہے گا اور سمجھتا یہ رہے گا کہ وہ دیندار ہے اور دین پر عمل کر رہا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ آدمی قرآنِ پاک سمجھ کر پڑھنے کی عادت ڈالے اور حدیث کا بھی مسلسل مطالعہ کرتا رہے اور خدا سے صحتِ دین اور حق شناسی کی دعائیں کرتا رہے اور اپنی کاوش کا قرآن کی روشنی میں برابر جائزہ لیتا رہے۔

قرآن وحدیث کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ سیرت وحدیث رسول ﷺ، سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم کے مطالعہ کا بھی ضرور اہتمام رکھے۔ دین کے صحیح تصور کا سرچشمہ قرآن وحدیث ہے اور قرآن وحدیث کے مطابق رسولِ پاک ﷺ کی مبارک زندگی ہی ہمارے لیے اسوہ ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ ایک دعا کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ اس دعا کا ضرور اہتمام رکھنا چاہیے۔

" اللھم اصلح لی دینی الذی ھو عصمة امری واصلح لی دنیائی التی فیھا معاشی واصلح لی اخرتی التی فیھا معادی واجعل الحیوة زیادة لی فی کل خیر۔ واجعل اللموت راحة لی من کل شر۔ "

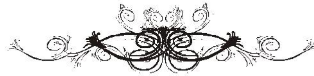
''اے اللہ! میرے دین کی اصلاح فرما جو میرے ہر کام کی حفاظت کرنے والی چیز ہے اور میری دنیاوی زندگی کی اصلاح فرما جس سے میری معاش متعلق ہے اور میری آخرت کو ٹھیک فرما دے جہاں مجھے لوٹ کر جانا ہے اور میری زندگی کو میری ہر ایک بھلائی میں اضافہ کا سبب بنا دے اور میری موت کو راحت کا سبب بنا دے ہر ایک برائی سے۔''

ایک اور دعا بھی نبی کریم ﷺ سے منقول ہے، اس کا اہتمام بھی کرنا چاہیے۔

" اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔ "

''اے اللہ! مجھے حق کو حق کر کے دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل ہی کر کے دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق ارزانی فرما۔''

[بہ شکریہ، ماہنامہ چشم بیدار، مئی ۲۰۱۰]



نقطۂ نظر

بدنصیب قوم کے عیار حکمران!

پروفیسر محمد یاسین ظفر (پرنسپل جامعہ سلفیہ، فیصل آباد)

یہ بات نہ جانے کتنی مرتبہ دہرائی جا چکی ہے کہ وطن عزیز دنیا کا واحد نظریاتی ملک ہے جو صرف اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا۔ اگر تحریک پاکستان میں اسلامی ریاست کا تصور شامل نہ کیا جاتا تو یہ تحریک کبھی کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتی، اور پاکستان کا معرضِ وجود میں آنا ممکن نہ ہوتا۔

بانی پاکستان کی جلد رحلت اور ان کے جانشین کے قتل کے بعد ایسے لوگ برسر اقتدار آئے جو پاکستان کے قیام میں شریک نہ تھے اور نہ ہی انہیں قیام پاکستان کے مقاصد سے دلچسپی رہی تھی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ غیروں کے آلہ کار اور گماشتے تھے جو پاکستان کی اصل شناخت کو ختم کرنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ اقتدار کی حرص نے انہیں باولا کر دیا تھا اور اپنی ہی قوم کو بار بار زیر کر کے فتح کا جشن مناتے رہے۔

کبھی کوئی عوامی حکومت کا نعرۂ مستانہ لگا کر اقتدار میں آیا تو کبھی کوئی اسلام کے نام پر حکمرانی کے مزے لوٹتا رہا۔ لیکن بدنصیب قوم عرصہ ۶۳ سال سے ایک ایسے بھنور میں پھنسی ہوئی ہے کہ وہ ساحل سے کوسوں دور ہلاکت خیز موجوں کے رحم وکرم پر جی رہی ہے۔ ایک سے بڑھ کر ایک عیار اقتدار پر قابض ہوتا ہے اور اپنے پیش رو کو پاکستان کی محرومیوں، بربادیوں کا ذمہ دار گردانتا ہے اور خود عالمی مافیا کا ایجنٹ بن کر قوم کی تقدیر سے کھیلتا ہے۔

پاکستان کی بقا اور سالمیت کا اسلام سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اگر آج بھی کوئی ناداں اس شناخت کو ختم کرنے کی سعی کرے گا تو اس کی براہ راست چوٹ پاکستان کی اساس پر پڑے گی۔ اس قوم کو اگر کسی چیز نے متحد ومتفق کیا ہوا ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ اگرچہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک یہ اسلامی فلاحی ریاست تو نہ بن سکا مگر کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی شکل میں اسلام کی بود وباش نظر آتی رہی۔ خاص کر پاکستان کے سکولوں میں اسلامیات، دینیات اور پھر عربی زبان کو لازمی قرار دیا جانا اسی سلسلے کی کڑی تھی۔

عربی زبان نصاب تعلیم میں لازمی مضامین کے طور پر پڑھائی جاتی رہی۔ اس سے کم از کم طلباء کو یہ احساس رہتا تھا کہ ہمارا تعلق محمد عربی ﷺ کی ذات بابرکات سے ہے جن پر دنیا کی مقدس ترین سچی کتاب قرآنِ حکیم عربی زبان میں نازل ہوئی ہے اور پوری شریعت کا ماخذ بھی عربی زبان ہے۔ اس بہانے بچے چند سورتوں کا ترجمہ اور عربی کی بنیادی باتیں سیکھ جاتے تھے اور عربی زبان سے ایک تعلق رہتا تھا کہ یہ ہمارے دین کا حصہ ہے۔ خالص عربی النسل ہونے کے باوجود امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"تعلموا العربية فانها من دينكم ۔"

''کہ عربی سیکھو کیوں کہ یہ تمہارے دین کا حصہ ہے۔''

لیکن مقام افسوس ہے کہ ''خادمِ پنجاب'' نے چھٹی کلاس میں عربی کو ختم کر کے کمپیوٹر سائنس کو لازمی مضمون کے طور پر پڑھانے کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا ہے۔ اس طرح آئندہ دو سالوں میں عربی مکمل طور پر مڈل حصے سے ختم ہو جائے گی۔ جب کہ میٹرک، ایف اے میں پہلے ہی بطور لازمی مضمون ختم ہو چکی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ پاکستان میں موجود ایک سیکولر طبقہ روزِ اوّل سے ہی اس بات کا مخالف رہا ہے اور ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ پاکستان کی اسلامی شناخت ختم کر دی جائے اور پاکستان کے نام کے ساتھ اسلامی جمہوریہ کا لاحقہ بھی ختم کر دیا جائے۔ آج وہ طبقہ بے حد مسرور نظر آتا ہے کہ ان کی امیدیں بر آئی ہیں۔

سب سے زیادہ افسوس اس بات پر ہے کہ یہ منحوس اور برا فیصلہ پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ کے ہاتھوں ہوا، اور وہ بھی مسلم لیگ کے اس گروہ سے جن کے بارے میں عوام میں یہ تاثر ہے کہ یہ لوگ (شریف برادران) اسلام اور دین سے گہری محبت رکھتے ہیں۔

اقوامِ متحدہ کے ذریعے جو عالمی ایجنڈا جاری ہوا ہے یہ اسی کا ایک حصہ ہے کہ آہستہ آہستہ ایسے اقدامات کیے جائیں جس سے مذہب کی شناخت ختم ہو جائے اور خاص کر اسلامی ممالک میں خصوصیت کے ساتھ یہ اقدامات اٹھائے جا رہے ہیں۔

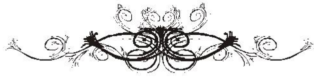
مخلوط تعلیم جنسی آزادی، اسقاطِ حمل اور نصابِ تعلیم سے دینیات اور عربی زبان کا خاتمہ اس کا لازمی حصہ ہے۔ یہ کام اگر اور جماعت کرتی جو سیکولرازم کی حامی ہیں تو بات سمجھ میں آتی کہ ان کا منشور ہی ایسا ہے۔ لیکن مسلم لیگ کے ہاتھوں یہ اقدام بہت ہی افسوس ناک ہے۔ پاکستانی قوم پہلے ہی مذہب سے بیزار نظر آتی ہے اس کی بہت سی وجوہات میں فرقہ واریت بھی ہے۔ لیکن فرقہ واریت کے فروغ میں جو اسباب کارفرما ہیں ان میں اب عربی زبان کا خاتمہ بھی شامل ہو گیا ہے۔ حکومت خود فرقہ واریت کی سرپرستی کرتی ہے۔

حالیہ میلاد النبی ﷺ کے موقع پر مختلف شہروں میں جو کچھ ہوا حکومت ایک فریق بن کر سامنے آئی۔ دوسروں کی مسجدوں اور گھروں پر زبردستی جھنڈے لگائے گئے۔ اتارنے پر گستاخ رسول ﷺ کے پرچے درج کیے گئے۔

عربی زبان پڑھنے سے دین کے بنیادی عقائد اور فلسفہ حیات سے آگاہی ملتی تھی اب وہ بھی نہ رہی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آنے والا کل ایسے بچوں کو جنم دے گا جو دین سے عاری اور محض فرقہ واریت پھیلانے والے مولویوں کا آلہ کار بن جائیں گے۔

ہونا تو یہ چاہیے کہ حکومت پنجاب عربی مضمون کو برقرار رکھتی اور کمپیوٹر سائنس بھی شامل نصاب کر دیتی تاکہ یہ تاثر نہ قائم ہوتا کہ موجودہ حکومت بھی عالمی ایجنڈے کی تکمیل میں کردار ادا کر رہی ہے۔

ہم اس غیر مناسب اقدام کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہیں اور حکومت وقت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ فی الفور اپنا نوٹیفکیشن واپس لے اور عربی زبان کو لازمی مضمون کے طور پر چھٹی کلاس میں پڑھانے کا حکم صادر فرمائے۔



مولانا احمد الدین گکھڑوی کے متعلق اعلان

مولانا احمد الدین گکھڑوی مرحوم ومغفور جماعت اہل حدیث کے مشہور مقرر اور معروف مناظر تھے۔ لیکن افسوس ہے ان کے مفصل حالات کہیں نہیں ملتے۔ مجھے ان کے متعلق حسب ذیل معلومات درکار ہیں، امید ہے قارئین کرام اس سلسلے میں میری مدد فرمائیں گے۔

① ...... تاریخ ولادت۔
② ...... خاندانی پس منظر ③ ...... اساتذہ۔
④ ...... کہاں کہاں فریضہ خطابت سرانجام دیا۔
⑤ ...... کسی مدرسے میں کبھی تدریس بھی کی؟
⑥ ...... ان کے مناظروں کے بارے میں کچھ معلومات۔

محمد سلیم چنیوٹی
منیجر ہفت روزہ الاعتصام
۳۱۔ شیش محل روڈ۔ لاہور۔ فون: 042-37354406
موبائل: 0333-4611619

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

تذکرہ سوانح امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ

تالیف: مولانا عبدالقیوم حقانی
ضخامت: ۳۱۶ صفحات
قیمت: درج نہیں
ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد نوشہرہ (خیبر پختونخوا)
تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

زیر تبصرہ کتاب برصغیر کے مشہور خطیب، مجاہد تحریک آزادی، اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے روحِ رواں اور عظیم مبلغ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے متعلق تالیف کی گئی ہے۔

۱۹۱۸ء تک سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری امرتسر کی جامع مسجد خیر الدین میں وعظ وخطابت فرمایا کرتے تھے اور یہ فقط مذہبی سطح کی خطابت تھی۔ انہی دنوں تحریک آزادی چل رہی تھی کہ انگریز نے سازش کر کے جلیاں والا باغ امرتسر میں منعقدہ مسلمانوں کے ایک جلسے میں گولی چلادی۔ جس میں کئی مسلمان شہید وزخمی ہوگئے۔

۱۹۱۹ء میں انگریز نے پنجاب میں مارشل لاء کا نفاذ کردیا۔ اس مارشل لاء کے قانون کی وجہ سے مسلمانوں میں خوف وہراس پیدا ہو چکا تھا۔ دوسری جانب واقعہ جلیاں والا باغ امرتسر سے مسلمانوں میں بے چینی پائی جاتی تھی۔ اس اثناء میں سید محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ نے مسلمانوں کے دلوں سے انگریز کا خوف وہراس ختم کرنے کے لیے امرتسر میں پبلک سطح پر جلسوں کا انعقاد کیا۔ اس طرح انگریزوں سے آزادی کی تحریک کو دوبارہ زندہ کرنے کا داعیہ پیدا ہونا شروع ہوگیا۔

ایک دن سید عطاء اللہ شاہ بخاری (خطیب مدرسہ نعمانیہ ومسجد خیر الدین، امرتسر) نے کٹڑہ سعید چوک امرتسر میں تقریر کی اور یہاں مولانا سید داؤد غزنوی رحمہ اللہ کی طرف سے ایک روز قبل کی گئی تقریر کا ردّ یہ کہہ کر کیا کہ ''کل اسی جگہ پر جو آگ مولوی داؤد غزنوی لگا گیا ہے، میں اس پر پانی ڈالنے آیا ہوں۔'' [ص:۶۴]

سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی تقریر سے مسلمانوں میں غلط فہمی پیدا ہوگئی اور سید محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ نے محسوس کیا کہ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو واقعات کا علم نہیں اور یہ تقریر حالات سے ناسمجھی کا نتیجہ ہے۔ مولانا سید داؤد غزنوی رحمہ اللہ صاحب نے شاہ جی رحمہ اللہ کو اپنے مکان پر آنے کی دعوت دی اور شاہ جی کو اخباری فائلیں دکھا کر قائل کرلیا کہ برطانوی سامراج کس طرح مسلمانوں پر مظالم ڈھا رہا ہے اور ترکوں کے ساتھ کیے گئے ناانصافی کے واقعات کس طرح کی تباہی پھیلا رہے ہیں۔

اخبارات میں یہ حالات دیکھ کر شاہ جی کی سیاسی بصیرت جاگ اُٹھی اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ کی پیش کش کہ شاہ صاحب آپ میرے ساتھ مل کر کام کا آغاز فرمائیں آپ بہتر طور پر مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی تصویر کشی کر سکتے ہیں۔ اور یہ ایک بہترین خدمت ہوگی۔

چناں چہ سید عطاء اللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ مسجد کے محراب سے نکلے اور مولانا سید داؤد غزنوی رحمہ اللہ کی تحریک پر پورے برصغیر میں انگریزی سامراج کو للکارنے لگے۔

زیر تبصرہ کتاب سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے متعلق مختلف واقعات وحالات پر مشتمل ہے۔ اس کے دس ابواب ہیں۔ ان ابواب کو شاہ جی رحمہ اللہ کے خاندانی حالات، تعلیم وتربیت، خطابت، شعری ذوق، قید وبند، حاضر جوابی، ادب پاروں جیسے موضوعات پر تقسیم کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ جی کی زندگی پر اس سے قبل بھی کئی کتب لکھی جا چکی ہیں۔

مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے یہ تالیف لکھ کر اپنے تئیں ایک اچھی کوشش فرمائی ہے۔ اہل ذوق کے لیے لائق مطالعہ ہے۔ کمپیوٹر کمپوزنگ، موٹا فونٹ، سفید کاغذ اور مجلد شائع کی گئی ہے۔

ضرورت خادم مسجد

جامع مسجد قباء اہل حدیث ۴۷ چناب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور کے لیے دو عدد متشرع، بوقت ضرورت امامت کے فرائض بھی انجام دینے والے خادموں کی ضرورت ہے۔ سلفی مسلک کے احباب رابطہ کریں۔ [انتظامیہ مسجد ہذا: 0300-4184328]

قاری حبیب اللہ بسمل کو صدمہ

قاری حبیب اللہ بسمل (امام جامع مسجد محمدی اہل حدیث شیخ کالونی فیصل آباد) کے بڑے بھائی میاں عطاء اللہ صاحب گزشتہ دنوں وفات پا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحوم توحید وسنت پر کاربند اور نیک شخصیت تھے۔ حافظ عبدالستار (خطیب چک نمبر ے کرلی والا) نے نماز جنازہ پڑھائی۔ احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

[عبدالشکور کاظم (فاضل مدینہ یونی ورسٹی، فیصل آباد)]

خصوصی شمارہ پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ

ہفت روزہ الاعتصام نے جنوری ۲۰۱۰ء میں پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ کے متعلق آمدہ مضامین پر مشتمل ایک خصوصی شمارہ شائع کیا تھا۔ اس کی کاپی دفتر الاعتصام سے مبلغ/۲۵ روپے ارسال کرکے حاصل کریں۔

صفحات ۶۸۔ کمپیوٹر کمپوزنگ

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے

/۳۵ روپے ارسال کریں۔

محمد سلیم چنیوٹی، منیجر ہفت روزہ الاعتصام

31 شیش محل روڈ لاہور۔ 54000

فون نمبر: 0333-4611619

گونجی اذان عشق کے بیت الحرام سے

بے گانہ ہے زمانہ خدا کے کلام سے — واقف نہیں ہنوز وہ دینی نظام سے
اربابِ حق ہیں دور نمائش کے نام سے — اُن کو اگر ہے کام تو بس اپنے کام سے
اسلام کا خطاب ہے ہر خاص و عام سے — لینی ہے اُس کو حق کی شہادت تمام سے
ہم اپنے عزم و ہمت محشر خرام سے — آگے بڑھیں گے قافلہ تیزگام سے
پھر فضل حق سے جائیں گے دارالسلام کو — آئے تھے ہم جہان میں دارالسلام سے
باطل کے آگے سر نہ جھکائے گا وہ کبھی — سرشار ہے جو بادۂ عرفاں کے جام سے
مجھ کو گلہ ہے مردِ مسلماں سے بس یہی — کس واسطے ہے دور وہ اپنے مقام سے
کیوں اُس کے دِل میں خدمتِ دیں کی تڑپ نہیں — نا آشنا ہے لذتِ سوزِ دوام سے
دنیا کو خیر و شر میں نہیں امتیاز اب — کچھ واسطہ نہیں ہے حلال و حرام سے
ہو جائے پھر سے لرزہ براندام اے خدا — شیطاں کی فوج مردِ مسلماں کے نام سے
اللہ رے یہ مومن بے باک کا جہاد — چھوٹا فریبِ نفس کے رنگین دام سے
انجامِ آفتاب کا اِک تکملہ ہے وہ — ہوتی ہے جلوہ گر جو شفق بطنِ شام سے
صف باندھ لو نمازِ محبت کے واسطے — گونجی اذان عشق کے بیت الحرام سے
پھیلائے گا پیام خدا اور رُسول کو — ہم کو یہی اُمید ہے ’’الاعتصام‘‘ سے

حماد اب تو خیر نہیں ہے صلیب کی
تیغ ہلال چمکی ہے جوفِ نیام سے

[ابوالبیان حماد]